شاہ ولی اللہ
اور
اُن کے اصحاب
از
حکیم محمود احمد برکاتی
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی

# شاہ ولی اللہ

# اور

# اُن کے اصحاب

از

حکیم محمود احمد برکاتی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

**صدر دفتر**

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔110025

**شاخیں**

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، (ایر کنڈیشنڈ) بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔110025

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی ۔110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنس بلڈنگ۔ ممبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ۔202002

اشاعت اول: ادارہ یادگارِ غالب، کراچی ۲۰۰۴ء

اشاعت دوم: ہندستانی اڈیشن مارچ ۲۰۰۶ء     تعداد: 500     قیمت: -/175 روپے

لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۔۲ میں طبع ہوئی

# معروضہ

''ادارۂ یادگار غالب'' کی زیر نظر تصنیف ایک ایسے وقت میں منظر عام پر آرہی ہے جب ادارے نے اور اس کی غالب لائبریری نے اپنے ایک نئے دور کا آغاز کیا ہے۔ ادارے کی تاریخ کو اپنے قیام سے اب تک تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۶۸ء سے جب یہ ادارہ قائم ہوا تو اس کے بانی معتمد عمومی مرزا ظفر الحسن کے انتقال (۱۹۸۴ء) تک یہ اپنے تشکیلی دور میں رہا۔ مرزا صاحب کے بعد اس کا اہتمام اس کی مجلس نظماء نے سنبھالا اور اس کے قریب قریب تمام امور مشفق خواجہ صاحب کی نگرانی میں انجام پاتے رہے اور وہی ادارے کے معاملات اور ''غالب لائبریری'' کے انتظامات انجام دیتے رہے۔ خواجہ صاحب کی رحلت (فروری ۲۰۰۵ء) کے بعد سے اس ادارے کا تیسرا دور شروع ہوا ہے۔ اور اس تیسرے دور کی یہ اولین اشاعت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

خواجہ صاحب نے اپنے دور میں ادارے کے علمی و اشاعتی منصوبوں میں بے حد دلچسپی لی اور کتابوں کے انتخاب اور ان کی ترتیب و اشاعت میں بڑی تندہی اور جانفشانی کا ثبوت دیا۔ ان کے منتخب منصوبے افسوس کہ تمام تر ان کی زندگی میں منظر عام پر نہ آسکے اور متعدد ایسے کام جو تکمیل کے آخری مراحل میں تھے ان کی رحلت کے بعد اب شائع ہو رہے ہیں۔ ادارے کی خواہش اور کوشش ہے کہ وہ تمام منصوبے یکے بعد دیگرے حتی المقدور شائع ہو جائیں اور یہ سلسلہ اسی آب و تاب سے جاری رہے جو خواجہ صاحب مرحوم کی بھی خواہش تھی۔

زیر نظر تصنیف فاضل اجل حکیم ڈاکٹر محمود احمد برکاتی صاحب کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ حکیم صاحب اس کتاب کے موضوع پر ایک استناد کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کی اس موضوع پر ایک سابقہ تصنیف ''شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان' ہمارے علمی و تحقیقی ذخیرے میں بیش بہا اضافہ سمجھی گئی ہے۔ زیر نظر تصنیف میں حکیم صاحب نے اپنے اس موضوع کو مزید وسعت دی ہے اور نہایت وقیع اور ناگزیر مآخذ کی مدد سے بے حد اہم انکشافات کیے ہیں اور قیمتی معلومات کا خزانہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ ادارہ اس تصنیف کی اشاعت کو اپنے لیے اور اپنے اس نئے دور کے لیے فال نیک سمجھتا ہے۔

یقین ہے کہ قارئین اس کتاب سے خاطر خواہ استفادہ فرمائیں گے اور ادارے کے ساتھ تعاون کی اپنی روایت کو وسعت دیں گے۔

معین الدین عقیل

# فہرستِ مضامین

| | |
|---|---|
| پیش لفظ | ۶ |
| سنینِ حیات شاہ ولی اللہ | ۷ |
| حیاتِ شاہ ولی اللہ کے چند مآخذ | ۸ |
| تصانیف شاہ ولی اللہ | ۱۰ |
| تلامذہ و مسترشدین شاہ ولی اللہ | ۱۳ |
| چند خاص تلامذہ | ۱۶ |
| شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات | ۲۳ |
| القول الجلی کی بازیافت | ۴۱ |
| شاہ ولی اللہ کے حالات، شاہ عبدالعزیز کی زبانی | ۵۸ |
| شاہ ولی اللہ کے فارسی اشعار | ۷۳ |
| تحریک ولی اللہی | ۸۵ |
| مدرسہ رحیمیہ | ۹۵ |
| مدرسہ رحیمیہ کا نصاب تعلیم | ۱۰۶ |
| شاہ اہل اللہ | ۱۱۲ |
| شاہ محمد عاشق | ۱۲۷ |

| | |
|---|---|
| تصانیف وتالیفات | ۱۳۶ |
| متفرق تحریریں | ۱۴۱ |
| شاہ محمد دہلوی | ۱۴۶ |
| شاہ عبدالعزیز | ۱۴۹ |
| شاہ رفیع الدین | ۱۵۷ |
| شاہ عبدالقادر | ۱۶۵ |
| شاہ عبدالغنی | ۱۶۷ |
| شاہ محمد اسحاق | ۱۶۹ |
| شاہ محمد یعقوب | ۱۷۱ |
| شاہ مخصوص اللہ | ۱۷۹ |
| شاہ محمد موسیٰ | ۱۸۳ |
| ملا عبدالقیوم | ۱۸۸ |
| شاہ محمد اسماعیل | ۱۹۲ |
| شاہ محمد عمر | ۱۹۳ |
| مولوی سید ظہیر الدین احمد | ۱۹۵ |
| مولوی سید عبدالغنی | ۲۰۴ |
| مولوی سید عبداللہ | ۲۰۶ |
| مولوی عبدالحمید سواتی | ۲۰۹ |
| کتابیات | ۲۱۲ |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر میرے چند مضامین کا مجموعہ پیش خدمت ہے۔ ان میں سے چند مضامین تازہ ہیں اور چند برسوں پہلے لکھے گئے اور شائع ہوئے تھے، لیکن اب وہ ترمیم و تصحیح و اضافہ ہونے کے بعد شائع کیے جا رہے ہیں۔

حال ہی میں شاہ صاحب کی سب سے پہلی اور مستند سوانح حیات القول الجلی اور ان کے مکاتیب کا مجموعہ شائع ہوئے ہیں، جن سے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں، بہت سی غلط باتوں کی تصحیح ہوئی ہے، کئی مجمل باتوں کی تفصیل معلوم ہوئی ہے۔ مثلاً میں نے ۱۹۶۵ء میں شاہ صاحب کے بڑے اور گم نام صاحب زادے شاہ محمد پر ایک مضمون لکھا تھا (ماہنامہ "فاران" کراچی ۱۹۶۵ء) جس میں شاہ محمد کے وجود پر دلیلیں پیش کی گئی تھیں کہ شاہ صاحب کے چار نہیں پانچ صاحب زادے تھے اور شاہ محمد سب سے بڑے تھے لیکن موجودہ مضمون اُن کے وجود پر استدلال کے بجائے اُن کے حالات پر مشتمل ہے۔

ملا عبدالقیوم بڈھانوی (داماد شاہ محمد اسحاق) نے شاہ صاحب کے خاندان کے حالات پر مشتمل ایک تحریر املا کروائی تھی۔ ملا عبدالقیوم کے خاندان کے ذی علم رکن احمد مصطفیٰ صدیقی نے اس تحریر کی مدد سے میرے کئی تسامحات و اغلاط کی نشان دہی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ مولانا نورالحسن راشد کے ایک مضمون سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے، میں اُن کے لیے تشکر بر لب ہوں۔

طالب علم

محمود احمد برکاتی

کراچی، یکم دسمبر ۲۰۰۳ء

# شاہ صاحب کے سنینِ حیات

ولادت ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء

ازدواج ۱۱۲۸ھ

فراغت درس، اجازت بیعت وارشاد ۱۱۲۹ھ

وفات والد ۱۱۳۱ھ

ناکام عزم سفر حج ۱۱۳۴ھ

سفر حج ۱۱۴۳ھ/ ربیع الاول

مکہ معظمہ ۱۱۴۳ھ/ ۱۵ ذی قعدہ

مدینہ منورہ ۱۱۴۴ھ/ ربیع الاول

تالیف المقدمۃ السنیہ ۱۱۴۴ھ

مکہ معظمہ ۱۱۴۴ھ/ ۱۵ شعبان

حج ثانی ۱۱۴۴ھ/ ذی الحجہ

سفر مراجعت ۱۱۴۵ھ

ورودِ دہلی ۱۱۴۵/۱۴ رجب

دہلی سے پھلت ۱۱۵۰ھ

پھلت سے دہلی ۱۱۵۹ھ/ شعبان

بڈھانہ عارضی انتقال سکونت ۱۱۷۳ھ

دہلی واپسی ۱۱۷۵ھ/ ۸ ذی الحجہ

وصال ۱۱۷۶ھ/ یکم محرم الحرام

# شاہ ولی اللہ اور اُن کے خاندان کے سلسلے میں چند مآخذ

| | | |
|---|---|---|
| الروضۃ القیومیہ | ابوالفیض کمال الدین محمد احسان | |
| مقامات مظہری | شاہ غلام علی | مطبوعہ ۱۸۹۱ء |
| مناقب فخریہ | نواب غازی الدین خان | مطبوعہ ۱۸۹۷ء |
| فخر الطالبین | نور الدین حسین فخری | ۱۸۹۷ء |
| القول الجلی | شاہ محمد عاشق | |
| مقدمہ الخیر الکثیر | شاہ محمد عاشق | |
| مکتوبات شاہ ولی اللہ | شاہ عبدالرحمٰن / شاہ محمد عاشق | |
| نادر مکتوبات (ترجمہ مکتوبات) | نثار احمد فاروقی | |
| شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات | خلیق احمد نظامی | |
| مکتوبات مع مناقب امام بخاری | مرتبہ خواجہ محمد امین ولی اللہی | مطبع احمدی، دہلی |
| انفاس العارفین | شاہ ولی اللہ | مطبع احمدی دہلی |
| مکتوبات المعارف | سہارن پور | ۱۳۰۴ھ |
| ملفوظات شاہ عبدالعزیز | تالیف ۱۸۱۷ء | مطبوعہ ۱۹۰۴ء |
| وقائع عبدالقادر خانی | مولوی عبدالقادر | تالیف ۱۸۳۱ء |
| گلشن ہند | مرزا علی لطف | تالیف ۱۸۰۱ء/مطبوعہ ۱۹۰۶ء |
| تصنیف رنگین | سعادت یار خان رنگین | تالیف ۱۸۲۴ء |
| آثار الصنادید | سرسید | تالیف ۱۸۴۶ء |
| الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی | محسن ترہتی | تالیف ۱۸۶۳ء |

| | | |
|---|---|---|
| کمالاتِ عزیزی | نواب مبارک علی خاں | تالیف ۱۸۷۳ء |
| مقالاتِ طریقت | عبدالرحیم ضیا | ۱۸۷۴ء |
| ابجد العلوم | نواب صدیق حسن خاں | ۱۸۸۰ء |
| اتحاف النبلا | نواب صدیق حسن خاں | ۱۲۸۸ھ |
| الحطۃ بذکر الصحاح الستہ | نواب صدیق حسن خاں | ۱۲۸۸ھ |
| حدائق الحنفیہ | فقیر محمد جہلمی | ۱۲۸۸ھ |
| تذکرہ علماء ہند | رحمان علی | ۱۸۹۰ء |
| مقدمہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز | مرزا محمد بیگ دہلوی | مطبوعہ ۱۸۹۲ء |
| یادگارِ دہلی | سیّد احمد دہلوی | مطبوعہ ۱۹۰۳ء |
| خاتمہ تاویل الاحادیث | سیّد احمد دہلوی | |
| خاتمہ تکملۂ ہندی | سیّد احمد دہلوی | |
| حالاتِ عزیزی | سیّد احمد دہلوی | |
| حیاتِ عزیزی | رحیم بخش | ۱۸۹۹ء |
| حیاتِ ولی | رحیم بخش | ۱۹۰۱ء |
| واقعاتِ دارالحکومت دہلی | بشیر الدین احمد | ۱۹۱۹ء |
| نزہۃ الخواطر | سیّد عبدالحی | |
| امیر الروایات | | ۱۹۲۵ء |
| الثقافۃ الدھلویہ | عبدالوہاب دہلوی ۔ مکہ معظمہ | ۱۹۳۳ء |

ماہنامہ "الفرقان" لکھنو، شاہ ولی اللہ نمبر ۱۹۴۰ء

تصانیف مولانا عبیداللہ سندھی

شاہ اسماعیل شہید پر تالیفات

تصانیف مولانا غلام رسول مہر

## تصانیف وتالیفات

(۱) تفہیمات الٰہیہ
(۲) حجۃ اللہ البالغہ
(۳) الخیر الکثیر
(۴) لمحات
(۵) ہمعات
(۶) الطاف القدس
(۷) فیوض الحرمین
(۸) ہوامع
(۹) فتح الرحمٰن
(۱۰) اطیب النغم
(۱۱) اعتصام الامین
(۱۲) القول الجمیل
(۱۳) سطعات
(۱۴) انفاس العارفین
(۱۵) المقدمۃ السنیہ
(۱۶) المسوی
(۱۷) المصفیٰ
(۱۸) قرۃ العینین

(۱۹) الفوز الکبیر

(۲۰) فتح الخبیر

(۲۱) الانصاف

(۲۲) عقد الجید

(۲۳) شفاء القلوب

(۲۴) مکتوب مدنی

(۲۵) وصیت نامہ

(۲۶) النخبۃ فی سلسلۃ الصحبۃ

(۲۷) الفضل المبین فی المسلسل من الحدیث النبی الامین

(۲۸) حاشیہ لبس احمر

(۲۹) اسرار فقہ

(۳۰) منصور

(۳۱) تاویل الاحادیث

(۳۲) الدر الثمین

(۳۳) النوادر

(۳۴) الارشاد الی مہمات الاسناد

(۳۵) تراجم ابواب بخاری

(۳۶) شرح تراجم ابواب بخاری

(۳۷) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

(۳۸) اتحاف النبیہ مایحتاج الیہ المحدث والفقیہ

(۳۹) البدور البازغہ

(۴۰) کشف الغین

(۴۱) سرور المخزون

(۴۲) ازالۃ الخفا

(۴۳) السر المکتوم

(۴۴) صرف میر منظوم

(۴۵) دانش مندی

(۴۶) فتح الودود فی معرفۃ الجنود

(۴۷) عوارف

(۴۸) واردات

(۴۹) نہایات الاصول

(۵۰) الانوار المحمدیہ

(۵۱) فتح الاسلام

(۵۲) ردِ روافض در رد گوہر مراد

(۵۳) کشف الانوار

درج بالا کتابوں میں سے نمبر ایک سے ۲۵ تک کتابوں کا ذکر شاہ محمد عاشق نے القول الجلی میں کیا ہے۔

۲۶ اور ۲۷ کے نام خود شاہ صاحب نے اپنی دو تحریروں میں لیے ہیں۔

(۱) اجازہ بنام شیخ جار اللہ (۲) اجازہ بنام شیخ محمد بن پیر محمد

نمبر ۲۸ کا نام صرف شاہ عبد العزیز نے لیا ہے۔ فتاویٰ ص ۲۸

نمبر ۲۹ اور نمبر ۳۰ کے نام سیّد محمد نعمان رائے بریلوی نے لیے ہیں۔

(مکتوب بنام شاہ ابو سعید رائے بریلوی)

نمبر ۳۱ سے ۴۵ تک کی کتابوں کے نام مذکورہ بالا مآخذ سے کسی میں نہیں ہیں مگر یہ شاہ صاحب کی معروف اور مطبوعہ کتابیں ہیں۔

نمبر ۴۶ سے ۵۳ تک کتابوں میں نام صرف عبد الرحیم ضیا نے مقالات طریقت میں لیے ہیں۔

# تلامذہ ومسترشدین

## مذکور در القول الجلی

مولوی محمد اعظم کشمیری ص ۷، ۱۴۳، ۲۶۹

شاہ نور اللہ پھلتی ص ۳۳۹

محمد قطب رہتکی ص ۳۴

مخدوم محمد معین تتوی ص ۳۹، ۲۵۷

حافظ عبدالرحمٰن (عبدالنبی) ۴۵۲

شیخ محمد عابد ۴۷۳

کمال الدین سندھی ۷۹

ہدایت اللہ سندھی ۸۳

سید محمد خاں سندھی ۸۸

خواجہ محمد امین ولی اللہی ۴۶۴

میر افضل ۱۱۱

خواجہ ابوالفضل کشمیری ۱۱۴

عبدالرحمٰن بن شاہ محمد عاشق ۱۱۹

عبدالرحیم فائق بن محمد عاشق ۳۹۳

ہبۃ اللہ بن نور اللہ ۱۳۳

باباعثمان کشمیری ۱۳۷

حافظ محمد مقیم کشمیری ۱۴۳۔۲۷۱

شیخ محمد مراد بدخشی ۱۵۸۔۱۷۸

خواجہ حبیب اللہ کشمیری ۱۶۱

عمر خاں قصوری ۱۶۱

بابا فضل کشمیری ۲۶۵۔۳۴۴

شاہ ابوسعید رائے بریلوی ۲۲۴

حکیم ابوالوفا کشمیری ۲۴۳

خواجہ عبدالحکیم ۱۵۵

محمد جواد ۲۵۹

محمد بیگ ۲۶۲

میاں محمد شریف ۴۷۵

سید شرف الدین محمد ۴۷۵

شاہ محمد عاشق پھلتی ۴۸۱

شاہ محمد بن شاہ ولی اللہ ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۶، ۲۶۷

شاہ عبدالعزیز ۲۵۸، ۲۶۳، ۲۶۴

شاہ رفیع الدین ۲۶۴

شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ ۲۶۱

شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ

شاہ اہل اللہ ۴۲۱

# از دیگر مآخذ

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، کلمات طیبات ص ۱۵۸، استقصاء الافہام، حامد حسین کنتوری ص ۱۵۰

مولوی مخدوم لکھنوی، تذکرہ علماء ہند رحمان علی ص ۲۲۳

مولوی رفیع الدین مراد آبادی، حدائق الحنفیہ ص ۴۴۳ نزہۃ الخواطر ص ۱۸۲/ ۷

مولوی امین اللہ نگر نہسوی، نزہۃ الخواطر ص ۷۵/ ۷ تاریخ مدرسۂ عالیہ ص ۱۸۷

سیّد مرتضٰی زبیدی بلگرامی، التحفۃ الدھلویہ، عبدالوھاب دھلوی طبع مکہ

شیخ محمد بن پیر محمد بن ابی الفتح بلگرامی التحفۃ الدھلویہ

میاں داؤد، فخر الحسن از مولانا فخر الدین

شیخ جار اللہ، المسوی ص ۵۳ طبع مکہ

عبدالھادی، معارف اعظم گڑھ مولانا منظور الحسن برکاتی

مرزا احمد بیگ بن رستم بیگ، دمغ الباطل از شاہ رفیع الدین دھلوی

مرزا رستم بیگ، مقالات طریقت ۲۴۷

ابراہیم آفندی، مکتوبات مع مناقب امام ص ۲۶

# شاہ ولی اللہ کے چند خاص تلامذہ

## مولوی محمد سعید

مولوی محمد سعید بن محمد ظریف خاں بن جان محمد بن یار محمد بن خواجہ احمد دہلوی، فقہ و اصول وکلام کے فاضل۔

ولادت افغانستان، طلب علم کے لیے دہلی آئے اور شاہ صاحب کا تلمذ اختیار کیا، شاہ صاحب کے ساتھ ہی حج کو گئے اور طویل عرصے تک شاہ صاحب کے ساتھ رہے، شاہ صاحب کی وفات کے بعد نواب رحمت خان نے بریلی بلالیا اور اپنے ولی عہد عنایت خاں کا استاد اور اتالیق بنادیا۔ اس طرح یہ بریلی ہی میں رہ پڑے۔ وہیں ۱۱۸۸ھ سے پہلے وفات پائی، نواب رحمت خان کے حادثے کے بعد مولوی محمد سعید کے پانچ لڑکے رام پور آ گئے ان میں سے ایک مولوی عبدالرحمٰن ان کے بیٹے عبدالعلی ان کے بیٹے عبدالغنی اور ان کے بیٹے حکیم نجم الغنی خاں (نام ور مصنف اور طبیب)۔

## مولوی عبدالصمد محدث

کشمیر سے ۱۷۵۰ء کے قریب دہلی آئے اور شاہ ولی اللہ سے تحصیل علوم کی، وہاں سے لکھنؤ پہنچے (۱۱۹۱ھ میں لکھنؤ میں تھے) اور تدریس کا آغاز کردیا۔ نواب محبت خاں پر آخر عمر میں اتالیق ہو گئے تھے۔ نوے سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اُن کے صاحب زادے مولوی

غلام نبی تھے جو شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے آغاز میں یہ بھی نواب محبت خاں محبت کے فرزندوں کے اتالیق تھے۔ ان کا عقد شیخ محمد حسن لکھنوی کی بیٹی سے ہوا تھا۔ مولوی غلام نبی آخر عمر تک تدریس میں مشغول رہے علماء فرنگی محل میں ان کا بڑا احترام تھا، حسن علی محدث کے مزار کے برابر مزار ہے۔ مولوی غلام نبی کے دو فرزند تھے محمد یوسف اور محمد یعقوب۔

حکیم محمد یعقوب لکھنوی نامی طبیب اور جھوائی ٹولے کے خاندان کے بانی ہوئے۔ ص نمبر ۳۵، ۳۶، ۳۷ تذکرہ خاندان عزیزی، از حکیم سید ظل الرحمٰن۔

## مخدوم محمد معین تتوی

ٹھٹھہ (سندھ) کے باشندے تھے، مولانا عنایت اللہ بن فضل اللہ سندھی سے حصول علم کے بعد دہلی آئے اور شاہ صاحب سے تلمذ اختیار کیا۔ سندھ واپس آ کر شیخ ابوالقاسم نقشبندی سے بیعت کی اور شاہ عبداللطیف سے فیض صحبت پایا۔ ص ۳۵۲/۶۔ نزہۃ الخواطر، القول الجلی ۳۹۔ ۲۵۷

## حاجی احمد

حاجی احمد بن ابی احمد محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ کے شاگرد اور مولانا فخر صاحب کے مرید تھے، طویل عرصے فیض صحبت اٹھایا، سفر حج بھی کیا۔ ص ۶/۲۵ نزہۃ الخواطر۔

## شرف الدین محمد حسینی دہلوی

سیّدی بودھن کے نام سے معروف تھے، عالم اور محقق تھے دہلی میں ولادت ہوئی، عرصے تک شاہ صاحب کے ساتھ رہ کر فیض حاصل کیا، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی سے بیعت تھے۔ متعدد تصانیف ہیں۔

(۱) القول الفصل فی ارجاع الفرع الی الاصل، تالیف ۱۱۶۳ھ

(۲) حاشیہ ہوامع (شاہ ولی اللہ)

(۳) الوسیلہ الی اللہ

(۴) نقاوہ التصوف (اس پر شاہ ولی اللہ کی تقریظ ہے)

ماخذ: القول الجلی ۵۷۵-۷۶ ۴ نزہتہ الخواطر ۶/۱۰۵

## مولانا قطب الدین شاہ جہاں پوری

شاہ صاحب کے شاگرد اور مرزا مظہر جان جاناں کے مسترشد تھے وفات ۴/ ربیع الاوّل ۱۱۹۷ھ (نزہتہ الخواطر ۶/۲۳۳)

## خواجہ محمد امین ولی اللہی

اصلاً کشمیری تھے، شاہ صاحب کے خاص اصحاب میں سے تھے، شاہ عبدالعزیز کے استاد تھے، عجالہٗ نافعہ میں ان کا ذکر ہے۔ شاہ صاحب نے اُن کے لیے بعض رسائل تالیف کیے تھے، اُن کی ایک تالیف ''فوائد'' ہے، شاہ صاحب کے وصال کے بعد بھی دہلی میں ہی رہے۔ وفات ۱۱۸۷ھ (القول الجلی ص ۴۶۴، نزہتہ الخواطر ۶/۲۸۶)

## قاضی ثناء اللہ پانی پتی

شاہ صاحب کے شاگرد تھے۔ وہ شاہ صاحب کے پاس تین سال سے زیادہ عرصے تک مقیم رہے اور مصابیح، بغوی مشکوٰۃ، المسوی، الفوز الکبیر، فتح الرحمٰن کا درس لیا، یہ بات شاہ عبدالعزیز نے صحیح بخاری کے ایک نسخے کے آخر میں لکھی تھی جو قاضی صاحب کی ملکیت تھا، اس تحریر میں شاہ عبدالعزیز نے ان کو روایت کی اجازت بھی دی ہے گویا یہ سند حدیث بھی ہے، صحیح بخاری کا یہ نسخہ بعد میں مولانا حسن علی لکھنوی کی ملکیت میں آ گیا تھا قاضی صاحب نے شاہ ولی اللہ سے اپنے تلمذ کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں بھی کیا ہے (کلمات طیبات ص ۱۵۱) قاضی صاحب اجتہاد کے باب میں شاہ ولی اللہ کے ہم مسلک تھے اپنی کتاب مالابدمنہ میں کئی جگہ ''فقیری گوید'' لکھ کر اپنے قول کو امام اعظم کے مسلک پر ترجیح دی

ہے شاہ عبدالعزیز نے انھیں "بیہقیِ وقت" لکھا ہے۔

## بابا فضل اللہ کشمیری

شاہ ولی اللہ جب اپنے مرض وصال میں ۹ رذی الحجہ ۱۱۷۵ھ کو بڈھانے سے دہلی گئے تو اپنے گھر کے بجائے بابا فضل اللہ کے مکان میں اترے جو مسجد روشن الدولہ کے احاطے میں چوک سعد اللہ خاں پر واقع ہے۔ (القول الجلی ۲۶۵)

## مولانا ظہور اللہ مراد آبادی

شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ انھوں نے جامع ترمذی اور سنن ابن داؤد اپنے والد شاہ ولی اللہ سے بقرأت مولوی ظہور اللہ مراد آبادی پڑھی تھی۔
(نزہۃ الخواطر ۲۰۸ر۷)

## محمد جواد پھلتی

شاہ عبدالعزیز نے سنن ابن ماجہ شاہ ولی اللہ سے بقرأت مولوی محمد جواد پڑھی تھی۔
(نزہۃ الخواطر ۲۶۸ر۷)

## جار اللہ نزیل مکہ

شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم من اہل فنجاب، مولانا عبید اللہ سندھی نے المسوی کا مخطوطہ شاہ محمد اسحاق کے ورثا سے حاصل کیا تھا اس پر یہ نام درج تھا (مقدمۃ المسوی) شاہ عبدالعزیز نے مسلسلات اور جامع الاصول بقرأت مولوی جار اللہ نزیل مکہ پڑھی تھی (نزہۃ الخواطر ۲۶۹ر۷)

## غلام حسین صمدنی

غلام حسین بن نور علی صمدنی فرخ آبادی، ولادت صمدن، پہلے قنوج اور فرخ آباد

کے اساتذہ سے پھر لکھنؤ میں شیخ انوار الحق بن عبد الحق انصاری لکھنوی سے تحصیل علم کی پھر دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ سے درس لیا پھر بنگال چلے گئے اور وہاں عرصے تک تدریس وافادہ میں مشغول رہے۔

تصانیف (۱) جنت الفردوس (جنت کا اثبات بدلائل عقلیہ) (۲) منتخب صحاح جوہری (۳) ریاض رضواں (۴) دیوان عربی وفارسی

وفات، ۱۲۲۷ھ (ڈھاکا) (تاریخ صمدنی از سید عبد العزیز ص ۲۵۱)

## سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی

ولادت ۱۱۴۵ھ حصول تعلیم اپنے وطن میں پھر سندیلہ، خیرآباد میں پھر دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ سے پھر سورت پہنچ کر خیر الدین سورتی سے ۱۱۶۴ھ میں پھر حجاز مقدس پھر زبید (یمن) میں مستقل قیام، خود مرتضیٰ زبیدی نے اپنی ایک سند میں شاہ فاخر الہ آبادی اور شاہ ولی اللہ کا ذکر کیا ہے۔

تصانیف: تاج العروس شرح قاموس ۱۰ جلدیں۔ اس کے علاوہ ستر (۷۰) سے زیادہ کتابیں تالیف کیں، وفات ۱۲۰۵ھ (نزہۃ الخواطر ۴۸ر۷)

## نثار علی ظفرآبادی

نثار علی حسنی واسطی ظفرآبادی، تحصیل علم ملا برکت الہ آبادی وغیرہ سے کی پھر شاہ ولی اللہ سے چار سال تک درس لیا پھر وطن میں درس وافادہ میں مصروف ہو گئے محدث وفقیہ تھے اور معقولات میں خصوصاً ملکہ تھا، وفات ۱۲۱۵ھ (نزہۃ الخواطر ۴۹۴ر۷)

## ہبۃ اللہ نگرنہسوی

ولادت نگرنہسہ (پٹنہ، بہار) تعلیم اپنے والد مولانا سلیم اللہ نگرنہسوی سے حاصل کی پھر الہ آباد میں مولانا محمد قاسم الہ آبادی سے پھر دلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز سے

حاصل کی، مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس ہو گئے اور تا حیات وہیں رہے۔ وفات ۱۲۳۳ھ، کئی تالیفات یادگار ہیں (تذکرۃ النبلاص ۸۵ نزہۃ الخواطر ۸۵/۷ تاریخ مدرسہ عالیہ ۱۸۷)

## غلام حسین مکی

شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ انھوں نے صحیح بخاری از ابتدا تا کتاب الحج اپنے والد سے بقرأت سید غلام حسین مکی پڑھی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ۲۶۸/۷)

## مولوی رفیع الدین مرادآبادی

رفیع الدین بن فخر الدین، ولادت ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۱ء، تحصیل علم مولوی خیر الدین سورتی اور شاہ ولی اللہ سے کی، شاہ عبدالعزیز سے مراسلت تھی، شیخ محمد غوث لاہوری سے بیعت تھے، وصال ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۲ء (حدائق الحنفیہ ۴۶۳، نزہۃ الخواطر ۱۸۲/۷، تذکرہ رحمان علی ۱۹۷)

## مخدوم لکھنوی

مخدوم بن حافظ محمد نواز، دادا مشہد سے دہلی آئے وہاں سے لکھنؤ منتقل ہو گئے، تحصیل علم ملا نظام الدین سیالوی سے اور شاہ ولی اللہ سے کی، وفات ۱۲۲۹ھ/۱۳-۱۸۱۴ء تذکرہ رحمان علی

## میاں داؤد

مولانا فخر الدین دہلوی نے اپنی کتاب فخر الحسن میں لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے اپنے شاگرد میاں داؤد کو جو سند حدیث دی ہے اس میں لکھا ہے اجزت ان اخانا الصالح الفاضل میاں داؤد روایۃ صحیح البخاری وغیرہ من الکتب الستۃ ومسند الدارمی وکتاب مصابیح من قرآتی للبخاری وسماع الدارمی اجازۃ الباقی مع قراۃ اوائلھا علی الشیخ ابی طاھر محمد بن ابراھیم الکردی

المدنی بحق اجازته علی والده الشیخ ابراهیم الکردی"

## نوراللہ پھلتی

نوراللہ بن معین الدین، ولادت بڈھانہ، وہیں ابتدائی تعلیم پھر دہلی میں شاہ ولی اللہ سے حصول فیض، شاہ عبدالعزیز نے فقہ کی کتابیں ان ہی سے پڑھیں، ان ہی کی صاحب زادی سے شاہ عبدالعزیز کی شادی بھی ہوئی، نوراللہ کے بیٹے ہبۃ اللہ ان کے بیٹے عبدالحی بڈھانوی، ان کے بیٹے عبدالقیوم بڈھانوی تھے، ملا عبدالقیوم شاہ اسحاق کے داماد تھے اور عبدالحی شاہ عبدالعزیز کے داماد تھے۔ نوراللہ کی وفات ۱۱۹۷ھ بڈھانے میں ہوئی۔

## باباعثمان کشمیری

عثمان بن محمد فاروق بن شیخ محمد حسن، ابتدائی تحصیل علم علاقے کے علماء سے پھر دہلی میں شاہ ولی اللہ سے کی، کشمیر جا کر خواجہ عبدالرحیم شیخ کمال سے استفاضہ کیا (حدائق الحنفیہ ۴۵۸ القول الجلی ۱۳۷)

# شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان
# کی
# تحریرات میں تحریفات

فتنۂ تاتار اور ''زوال ملک مستعصم'' سے ماقبل کے علماء اور مصنفین کی کتابیں نایاب اور ناپید ہوگئیں تو اس کا سبب ظاہر تھا اور اسی سبب کے زوال کی بنا پر مابعد فتنہ کے علماء و مصنفین میں سے بیش تر کی بیش تر کتابیں آج کہیں کہیں دستیاب ہیں۔

لیکن جو معاملہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خان دان کی تالیفات کے ساتھ ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ سقوط دہلی (۱۸۵۷ء) کے اثرات کو اس میں دخل ہوگا مگر یہ بات اس لیے قرین صحت نہیں ہے کہ ان حضرات کی تالیفات کی کم یابی، نایابی اور ان میں تحریفات کا سلسلہ تو سقوط دہلی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ ۱۸۳۴ء میں سید عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی ہوگلی سے الفوز الکبیر شائع کی تو انھیں اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ملا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سقوط دہلی سے ۲۳ سال پہلے ہی شاہ صاحب کی کتابیں کم یاب تھیں، کیوں کہ سید عبداللہ اس خان واد ے کے نیاز مندوں میں سے تھے اور ان کے اکابر حلقہ سے مراسم تھے۔ مطبع احمدی بھی صرف اسی حلقے کی کتابوں کی اشاعت کے لیے قائم کیا تھا۔

شاہ صاحب کی کتابوں کی نایابی کا یہ عالم ہے کہ تقریباً ۱۲ رسائل و کتب ایسے ہیں جن

کے صرف ناموں ہی کی حد تک دنیا ان سے واقف ہے۔ آج تک لم سے لم خاکسار کے علم میں ان کتابوں کا کوئی مخطوطہ نہیں ہے [۱]

(۱) فتح الردود فی معرفتہ الجنود (۲) شفاء القلوب (۳) عوارف (۴) نہایات الاصول (۵) الانوار المحمدیہ (۶) فتح السلام (۷) کشف الانوار (۸) اسرار فقہ (۹) منصور (۱۰) حاشیہ رسالۂ لبس احمر (۱۱) دعاء الاعتصام (۱۲) النخبۃ فی سلسلتہ الصحبۃ۔

شاہ صاحب کے مصنفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔

(۱) البلاغ المبین، پہلی بار ۱۳۰۷ھ مطبع محمدی لاہور سے ایک اہلِ حدیث عالم مولینا فقیر اللہ نے شائع کی [۲]

(۲) تحفۃ الموحدین، سب سے پہلے ایک اہلِ حدیث بزرگ حاجی عبدالغفار دہلوی (علی جان والے) نے شائع کی [۳]

(۳) اشارہ مستمرہ، پہلی بار مولوی فضل الرحمٰن استاذ جامعہ ملیہ دہلی نے ۱۹۳۶ء میں مکتبہ عربیہ قرول باغ دہلی سے شائع کیا تھا [۴]

(۴) قول سدید کے نام سے بھی ایک رسالہ شاہ صاحب کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں عدم تقلید کی تلقین و تائید کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی اہلِ حدیث حضرات نے ہی شائع کیا ہوگا۔ [۵]

مندرجہ رسائل میں اہل السنت والجماعت کے نظریات سے متضاد نظریات اور وہ متشددانہ افکار پیش کئے گئے ہیں جن کو یہ حضرات ''تمسک بالکتاب والسنۃ'' کا نام دیتے ہیں اور جو کتاب توحید کی بازگشت ہیں۔ اس طرح شاہ صاحب سے احناف کو جن کی برصغیر میں اکثریت ہے بدظن اور دور کرنے کی کوشش کی گئی۔

ایک دوسرے فرقے ارباب تشیع نے ایک دوسرے پہلو سے یہی کوشش کی اور شاہ صاحب کی طرف دو ایسی کتابیں منسوب کیں جو ان کے تاریخی اور کلامی مسلک سے متناقص ہیں:

(۱) قرۃ العینین فی ابطال شہادۃ الحسین (۲) جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ۔ مرزا علی لطف نے اپنے تذکرہ شعرا گلشن[۶] ہند میں ان دونوں کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ گلشن ہند ۱۸۰۱ء کی تالیف ہے، گویا شاہ صاحب کی وفات کے ٹھیک چالیس سال بعد ہی سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ مولوی محبوب علی دہلوی لکھتے ہیں، [۷]"شاہ ولی اللہ پر رافضیوں نے تہمت اور بہتان کیا کہ اس نے ردشہادت حسین کا کیا ہے۔" مکمل رسائل و کتب تصنیف کر کے شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دینے کے علاوہ ایک ہلاکت خیز حرکت یہ کی گئی کہ شاہ صاحب کی تالیف میں جا و بے جا ترمیم واضافہ وتحریف بھی کر دی گئی۔

(۱) تاویل الاحادیث کی تازہ اشاعت مرتبہ مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی شائع کردہ شاہ ولی اللہ اکادمی حیدرآباد سن ۱۹٦۷ء کے مقدمہ میں ایک عجیب اختلاف نسخ کی نشان دہی کی گئی ہے اور شق قمر کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے منفردانہ نقطۂ نظر کے سلسلے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ شاہ صاحب نے وہ ایک دوسرے عالم کا قول نقل کیا ہے مگر عام متداول ومطبوعہ نسخے میں مقولہ رہ گیا۔ اور قائل کا نام حذف ہو گیا یہ بدنام اور نشانہ اعتراض بنانے کی سازش نہیں ہو سکتی؟

(۲) ہمعات، حیدرآباد سندھ سے ۱۹٦۴ء میں طبع ہوئی ہے۔ اس کے حواشی کے اختلاف نسخ سے انداز ہوتا ہے کہ اس رسالے کے مطبوعہ ومخطوطہ نسخوں میں نمایاں اختلافات ہیں۔

(۳) عقد الجید کا اردو ترجمہ مولانا محمد احسن نانوتوی نے سلک مروارید کے نام سے ۱۳۰۹ھ میں شائع کیا تھا۔ اس رسالے کے آخری اوراق میں ایک جگہ فتح القدیر کا اقتباس ہے۔ اس پر حاشیے میں مولانا محمد احسن لکھتے ہیں:

"قلمی نسخے میں انجام اس رسالے کا اس نقطہ پر ہے فتح القدیر کی بات آخر کتاب تک اس (نسخے) میں نہیں ہے۔ معلوم نہیں خود مولف نے بعد کو بڑھائی یا کسی اور نے۔" (ص ۸۹)

یہی معاملہ شاہ صاحب کے اخلاف کرام کی تالیفات کے ساتھ کیا گیا۔

شاہ عبدالعزیز کا تحفہ اثناعشریہ شائع ہونے کے بعد ایک صاحب نے لکھنؤ سے انھیں خط لکھا جس میں تحفہ کے بعض ایسے الفاظ وعبارات کا حوالہ دیا جو شاہ صاحب نے لکھے ہی نہیں تھے۔

چنانچہ شاہ عزیز نے اس خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''وتعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ از فقیر واقع نہ شدہ اگر در نسخہ از تحفۂ اثناعشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بناء مذہب ایشاں یعنی گروہ رفضہ از قدیم برہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔''۸

''اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چوٹیں میں نے نہیں کیں۔ اگر تحفہ اثناعشریہ کے کسی نسخہ میں ایسی عبارتیں ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہوں گی کیونکہ روافض کے مذہب کی بنیاد شروع ہی سے فتنہ انگیزی اور مکر و کید پر ہے۔ یہ کام بھی انھوں نے ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ تحفہ میں بھی انھوں نے الحاق شروع کردیا ہے (جس کا ثبوت آپ کا یہ خط بھی ہے)''

(۲) مولوی سید احمد ولی اللہی نے شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات مطبوعہ میرٹھ کو جعلی بتایا ہے (انفاس العارفین صفحہ آخر) ہماری ناقص رائے میں مولوی سید احمد کی یہ رائے کلیتہً تو صحیح نہیں ہے، ملفوظات شاہ صاحب کے ہی ہیں مگر ان میں الحاق ضرور ہوا ہے اور بعض فحش اشعار اور فحش واقعات درج کردیے گئے ہیں۔۹

(۳) تفسیر فتح العزیز کے متعلق بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ تفسیر مکمل ہے مقالات طریقت ۱۰ میں اس سلسلے میں دو روایتیں تحریر کی گئی ہیں پہلی یہ کہ مولوی یار محمد صاحب نے آپ کے درس قرآن کے کئی دوروں پر اپنے مصحف پر حواشی لکھ لیے تھے۔ وہ ان کے فرزند مولوی محمد اسحٰق صاحب کے پاس موجود ہیں۔ دوسری روایت ''حاجی محمد حسین صاحب سہار نپوری سلمہ تعالےٰ مولوی نور اللہ صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبرآباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر وہ چھپی نہیں۔'' (ص ۳۰۔۳۳)

(۴) حال ہی میں کتب خانہ رام پور سے موسیقی پر ایک مخطوطہ برآمد ہوا ہے کتاب کا نام ہے ''سانگیت شاستر'' مصنف ہیں ''شاہ عبدالعزیز دہلوی''۔ مخطوطہ کے کاتب اور واحد راوی

ہیں ایک ہندو منشی کندن لال اشکی! جناب عضد الدین خاں صاحب نے معارف اعظم گڑھ (جلد ۳ شمارہ ۹۶ ستمبر ۱۹۶۵ء) میں اس مخطوطہ کا تعارف کرایا ہے اور اس مخطوطہ کی نسبت شاہ محدث کی طرف تسلیم کرلی ہے۔ مگر ہماری عقیدت نے ابھی تک یہ انتساب گوارا نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہ کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین نے اردو، فارسی اور عربی میں متعدد رسائل و کتب تالیف فرمائیں، مگر ان میں سے متعدد ابھی تک مخطوط صورت میں برصغیر کے صرف دو ایک کتاب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ کئی رسائل و کتب کا نام کے سوا کوئی نشان نہیں ملتا۔

تحریف کا نشانہ بھی شاہ صاحب کی تالیفات ہوئیں۔ شاہ صاحب کا اردو ترجمۂ قرآن کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کا مکمل ترجمہ ہے۔ مگر عبدالرحیم ضیا کا بیان ہے کہ: ترجمہ قرآن تحت لفظی بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔ (مقالات طریقت ص ۱۸)

شاہ رفیع الدین صاحب نے فارسی میں ایک رسالہ تنبیہ الغافلین کے نام سے لکھا تھا، ایک نومسلم منشی بنی نارائن جہاں لاہوری نے اس رسالے کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ سید عبداللہ بن بہادر علی (صاحب مطبع احمدی ہوگلی) کا بیان ہے کہ یہ ترجمہ بے محاورہ تھا اور ترجمہ آیات کلام اللہ بھی غلط تھا، لیکن خود سید عبداللہ نے جو ترجمہ ۱۸۳۰ء میں کیا تھا اس کے لیے خود ان کا بیان ہے کہ اس میں آیات واحادیث قصص کا اضافہ کیا ہے۔ اس سے پہلے یہ رسالہ کسی صاحب نے اپنے نام سے شائع کر دیا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ تنبیہ الغافلین کے تالیفِ شاہ رفیع الدین ہونے کا علم ہی دنیا کو صرف منشی جہاں لاہوری کے حوالے سے ہے۔!!

شاہ ولی اللہ کے تیسرے فرزند شاہ عبدالقادر کے ایک اردو رسالے تقریر الصلوٰۃ کا مولوی سید عبدالحی نے ذکر کیا ہے مگر اس رسالہ کا وجود تو درکنار اس کا نام بھی مولوی عبدالحی کے سوا کسی اور نے نہیں کیا۔!!

شاہ صاحب نے قرآن کریم کا جو اردو ترجمہ کیا تھا، اس کا سب سے پہلا ایڈیشن سید عبداللہ نے مطبع احمدی ہوگلی سے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا تھا مگر یہ ترجمہ موضح القرآن کے نام سے

اور اضافات کے ساتھ ۱۳۰۸ھ میں دہلی سے شائع کیا گیا۔ مشہور اہل حدیث عالم میاں نذیر حسین کے داماد سید شاہ جہاں نے اس پر تقریظ لکھی تھی اور اس کے ملنے کا پتہ بھی "مدرسہ میاں نذیر حسین" تھا۔ مولوی سید احمد ولی اللہی نے انفاس العارفین کے صفحہ آخر پر جن جعلی کتابوں کی نشان دہی کی تھی ان میں تحفۃ الموحدین، البلاغ المبین وغیرہ کے ساتھ "تفسیر موضح القرآن مطبوعہ خادم الاسلام دہلی منسوب بہ طرف مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم بھی تھی۔

مجلہ نقوش لاہور (اپریل ۱۹۶۵ء) میں ایک احمدی قلم کار شیخ اسماعیل پانی پتی نے موضح القرآن کا مقدمہ شائع کیا تھا۔ یہ مقدمہ عام متداول مقدمے سے سراسر مختلف ہے۔ پانی پتی صاحب کا بیان ہے کہ یہ مقدمہ انھیں حکیم نورالدین بھیروی کے کتب خانے سے دستیاب ہوا ہے۔ یاد رکھیے کہ آں جہانی حکیم پہلے اہل حدیث تھا پھر احمدی اور خلیفۃ المسیح ہو گیا تھا۔ اللہ اللہ!

کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

شاہ ولی اللہ کے ابناء نہیں احفاد بھی تحریف و ترمیم اور غلط انتساب کا ہدف بنے۔ شاہ صاحب کے حفید شہیر شاہ اسماعیل کی طرف ایک کتاب تنویر العینین فی رفع الیدین منسوب ہے۔ مولوی کریم اللہ کا بیان [۱۳] ہے کہ ایک رسالہ تنویر العینین بعضے آدمیوں نے ان کی شہادت کے بعد ان کا کر کے شائع کیا۔

شاہ اسماعیل کی مشہور کتاب تقویت الایمان کے متعلق سید احمد شہید کے خلیفہ پیر مرتضیٰ خاں رام پوری نے دافع الفساد و نافع العباد [۱۴] میں لکھا ہے کہ اس میں تحریف کی گئی ہے۔

شاہ صاحب کے رسالہ رد شرک کے متعلق محسن ترہتی نے لکھا ہے کہ تحریف کی گئی ہے۔ [۱۵]

شاہ صاحب کا رسالہ منصب امامت ناقص الآخر ہے۔ یہی حال ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح کا ہے وہ بھی ناتمام ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کی طرف دو کتابیں منسوب ہیں، مسائل اربعین اور مأۃ مسائل۔ ہم نے اپنی کتاب "حیات شاہ محمد اسحٰق" میں بدلائل ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کتابوں کی نسبت شاہ صاحب کی طرف صحیح نہیں ہے۔ شاہ صاحب کے

ترجمۂ مشکوٰۃ (مظاہر حق) کے متعلق نواب قطب الدین خاں دہلوی نے لکھا ہے کہ "۔۔۔۔کاتبوں سے اس کی صحت میں فرق آنے لگا تھا۔"[۱]

آیۂ کریمہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" (سورہ بقرہ آیت ۱۷۳) کا جو ترجمہ و تفسیر فتح العزیز کے مطبوعہ نسخوں میں ملتا ہے اس کے متعلق شاہ صاحب کے معروف شاگرد شاہ رؤف احمد نقشبندی نے اپنی کتاب تفسیر رؤفی میں لکھا ہے کہ تفسیر فتح العزیز میں کسی عدو نے الحاق کر دیا ہے اور یوں لکھا ہے:

"اگر کسی بکری کو غیر کے نام منسوب کیا ہو اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے، وہ حلال نہیں ہوتی اور غیر کے نام کی تاثیر اس میں ایسی ہوگئی ہے کہ اللہ کے نام کا اثر ذبح کے وقت حلال کرنے کے واسطے بالکل نہیں ہوتا۔" یہ بات کسی نے ملا دی ہے۔

ص ۱۳۹ تفسیر رؤفی، جلد اول مطبع فتح الکریم بمبئی ۱۸۸۷ء

## حواشی

۱ کتب نمبر ۱ سے نمبر ۷ تک کے نام مقالات طریقت میں ہیں۔ کتب نمبر ۸، نمبر ۹ کے نام مکتوب سید محمد نعمان (مکتوبات المعارف) میں ہیں۔ کتاب نمبر ۱۰ کا نام شاہ عبدالعزیز کی ایک تحریر (مجموعہ فتاوی) میں ہے۔ نمبر ۱۱ کا ذکر بھی فتاوی میں ہے۔ نمبر ۱۲ کا نام خود شاہ صاحب کی اپنی ایک سند عطا کردہ شیخ جار اللہ میں ہے۔

۲ پروفیسر محمد ایوب قادری وصایا اربعہ

۳ حیات ولی طبع اول اکمل المطابع صفحہ آخر ۱۹۰۲ء۔

۴، ۵ وصایا اربعہ، پروفیسر محمد ایوب قادری۔

۶ مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند حیدر آباد دکن، ص ۲۴۔ ۱۹۰۶، مرتبہ مولانا شبلی نعمانی

۷ تنبیہ الضالین ص ۱۲۸

۸ فضائل صحابہ و اہل بیت (مع مقدمہ پروفیسر محمد ایوب قادری) طبع لاہور۔

۹ ملفوظات پر ہمارا مضمون (شاہ ولی اللہ کے حالات شاہ عبدالعزیز کی زبانی) ملاحظہ ہو۔

۱۰ مقالات طریقت ص ۳۰، ۳۲

۱۱ تنبیہ الغافلین کے سلسلے میں تمام تفصیل مولانا عبدالحلیم چشتی کے ایک محققانہ مقالہ سے ماخوذ ہے۔ ماہنامہ بینات کراچی رمضان ۱۳۸۳ھ

۱۲ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند طبع بیروت ص ۱۱۸۔

۱۳ تنبیہ الضالین ص ۸۷

۱۴ مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک ص ۹۶ و ص ۱۱۴

۱۵ الیانع الجنی ص ۷۶

۱۶ مظاہر حق ص ۳

# ''القول الجلی'' کی بازیافت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اوّلین اور مستند سوانح حیات خود ان کی حیات میں شاہ محمد عاشق پھلتی نے مرتب کی تھی اور شاہ صاحب کی نظر سے بھی یہ کتاب گزر چکی تھی اور اُن کی ہدایت کے مطابق اس میں اضافات بھی کیے گئے تھے۔ اور اپنی خود نوشت (الجزُ طیف فی ترجمۃ العبد الضعیف) میں شاہ صاحب نے اس کی تصدیق وتصویب بھی فرما دی[1] تھی اور اس طرح یہ کتاب شاہ صاحب کی نہ صرف اولین بلکہ مستند اور معتبر سوانح حیات تھی۔

القول الجلی فی ذکر آ ثارِ الولی کچھ عرصہ متداول بھی رہی۔ نواب صدیق حسن خاں نے ۱۸۸۰ء میں اس سے التقاط واقتباس کیا تھا[2] اور ۱۸۹۰ء میں مولوی رحمٰن علی نے اپنے مآخذ میں اس کا نام لیا تھا[3] مگر اس کے بعد یہ کتاب بے نشان ہوگئی اور تقریباً ایک صدی تک بے نشان رہی۔ کسی مورخ اور مصنف نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔

حیاتِ ولی کے مُصنف مولوی رحیم بخش کو بھی یہ کتاب دستیاب نہیں ہوسکی تھی۔ کسی نجی یا عام ذخیرۂ کتب میں بھی اس کے وجود کا سراغ نہیں مل رہا تھا۔ ۱۹۷۸ء میں جناب خلیق احمد نظامی نے یہ مژدہ سنایا کہ خانقاہ کاکوری کے ذخیرۂ کتب میں اس کتاب کا مخطوطہ شناخت اور دریافت کرلیا گیا ہے۔[4] بعد میں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری (پٹنہ) میں بھی اس کے ایک ناقص الاوّل مخطوطے کا سُراغ مل گیا۔

خانقاہ کاکوری میں اس مخطوطے کے وجود کی خبر سن کر جب خاکسار نے جناب مولانا مجتبیٰ حیدر علوی سے اپنے اور دوسرے بہت سے اہل علم کے اشتیاق اور مطالعے کے

لیے بے تابی کا ذکر کر کے اس کی طباعت کی درخواست کی تو معلوم ہوا کہ ان کے فاضل فرزند جناب مولانا تقی انور علوی نے اس کا ترجمہ اردو کرلیا ہے۔ اب کتاب طباعت کے مرحلے میں ہے بالآخر ۱۹۸۸ء میں القول الجلی کا اردو ترجمہ ہمارے ہاتھوں میں تھا، پھر اس کے کچھ دن بعد ہی جناب مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے اصل مخطوطے کا مصورہ شائع فرما دیا۔

شاہ صاحب کی شخصیت کی عظمت کی بنا پر ان کی یہ مستند اور مفصل سوانح حیات بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اس کی گمشدگی جتنی صبر آزما اور حیران کن تھی اب اس کی بازیافت اور طباعت اتنی ہی دل خوش کن ہے۔ کتاب جن حقائق پر مشتمل ہے وہ نہ صرف نئے بلکہ چونکا دینے والے بھی ہیں۔ ایک طرف اس میں شاہ صاحب کے سوانح کے سلسلے میں معلومات میں اضافہ اور اب تک کی معلومات کی تصحیح ہوئی ہے وہ اس تصویر سے مختلف ہے جس سے اب تک ہماری نگاہیں آشنا ہیں اور شاہ صاحب کے کلامی و فقہی مسلک اور اندازِ فکر کے متعلق اب تک ہمارا جو تاثر رہا ہے کتاب کے مطالعے کے بعد ایک طبقہ کے لیے شاہ صاحب کی شخصیت میں جاذبیت بڑھ جائے گی تو دوسرے طبقے کو شاہ صاحب سے اپنی نسبت خاطر اور وابستگی پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوگی۔

القول الجلی کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد اس کے مخطوطے کی نایابی اور گمشدگی کا راز بھی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ آئیے کتاب پر ایک نظر ڈالیں۔

## تعارفِ مؤلف:

پہلے اس کے مؤلف سے متعارف ہو لیں۔

کتاب کے مؤلف شاہ محمد عاشق پھلتی ہیں جو شاہ صاحب کے ممیرے بھائی تھے، ان کے والد شاہ عبید اللہ، شاہ صاحب کے حقیقی ماموں تھے اور ان کے دادا شاہ محمد، شاہ صاحب کے حقیقی نانا شاہ عبد الرحیم کے خسر تھے۔

وہ شاہ صاحب کے نسبتی بھائی بھی تھے۔ شاہ صاحب کا پہلا عقد ان کی حقیقی بہن سے ہوا تھا جن کے بطن سے شاہ صاحب کے سب سے بڑے فرزند شاہ محمد اور ان کی دو بہنیں

تھیں انہیں شاہ صاحب سے مصاہرت کا تعلق بھی تھا۔ ان کے دو فرزندوں شاہ عبدالرحمٰن اور شاہ عبدالرحیم فائق کے عقد علی الترتیب شاہ صاحب کی دو صاحبزادیوں (امتہ العزیز اور فرخ بی) سے ہوا تھا۔

وہ شاہ صاحب کے شاگرد بھی تھے (القول الجلی ص ۴۸۶) وہ شاہ صاحب کے رفیقِ درس بھی تھے۔ شیوخ حجاز سے صحیح بخاری اور سنن دارمی کے درس میں شاہ صاحب کے شریک رہے (القول الجلی ص ۴۹۱) وہ شاہ صاحب کے مسترشد بھی تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب سے دورانِ طلبِ علم ہی میں بیعت کر لی تھی (ص ۴۸۶) اور مسجد الحرام میں میزابِ رحمت کے نیچے بیعتِ ثانیہ کی تھی۔ (ص ۴۹۱)

شاہ محمد عاشق کی ولادت ۱۱۱۰ھ میں پھلت (ضلع مظفر نگر، اتر پردیش، بھارت) میں ہوئی تھی۔ یوں وہ شاہ صاحب سے چار سال بڑے تھے۔ مستقل قیام پھلت میں ہی رہا مگر تحصیل علوم کے عہد کے علاوہ بھی بکثرت دہلی آتے جاتے رہتے تھے خصوصاً (شدید مجبوری کے سوا) ہر سال ماہِ صیام میں دہلی میں آتے اور شاہ صاحب کے ساتھ معتکف رہتے تھے۔ شاہ صاحب سے مسلسل مراسلت کرتے رہتے تھے۔ شاہ صاحب کے مسوّدات کی تبییض ہی نہیں بلکہ ان کے متفرق شذرات کی جمع و ترتیب بھی وہ عمر بھر بڑے اہتمام اور ذوق وشوق سے کرتے رہے۔ شاہ صاحب جو مکاتیب خود ان کے اور دوسرے حضرات کے نام لکھتے تھے انہیں حاصل کر کے حفاظت سے رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ شاہ محمد عاشق، شاہ ولی اللہ کے عاشق تھے اور ان دونوں کو باہم وہی نسبت خاطر تھی جو حضرت نظام الدین اور امیر خسرو کے درمیان تھی۔ شاہ صاحب بھی دوسرے اعزہ اور متوسلین کے مقابلے میں ان سے خصوصی محبت کرتے تھے۔ کہیں ان کو "اعز اخوان واجلّہ خلّان" لکھا ہے، کہیں سجادہ نشین اسلام کرام، کہیں **وعاء علمی وحافظ اسراری وناظور کتبی والباعث علی التسوید اکثرمنها والمباشر لتبییضه** (میرا ظرف علم، میرے اسرار کے امین، میری کتابوں کے نگراں، میری اکثر کتابوں کے سبب تالیف، میرے مسوّدات کو صاف کرنے

والے ) لکھا ہے۔

شاہ صاحب نے خود بھی کئی کتابیں تالیف کیں جو افسوس ہے کہ اب تک سب کی سب غیر مطبوعہ ہی نہیں نایاب بھی ہیں۔

۱۔ شاہ صاحب کی الخیر الکثیر کی شرح۔

۲۔ درایات الاسرار۔

۳۔ شرح اعتصام الامین

۴۔ کشف الحجاب

۵۔ تذکرۃ الواقعات

۶۔ سبیل الرشاد

۷۔ مکاتیب شاہ ولی اللہ

۸۔ القول الجلی فی ذکر آثار الولی۔

القول الجلی:

القول الجلی، شاہ صاحب کی حیات ہی میں مرتب ہو گئی تھی اور ۱۱۶۲ھ میں اس کے پہلے دو باب مکمل ہو چکے تھے (ص ۶۹۳) تیسرا اور آخری باب بعد میں تحریر کیا گیا اور پہلے باب میں شاہ صاحب کے وصال کی فصل کا اضافہ، حادثہ، وفات ۱۱۷۶ھ کے بعد کیا گیا۔

کتاب کے استناد کے متعلق مؤلف کا بیان ہے کہ:

''ہیچ چیز دریں رسالہ بقید قلم نیاوردہ مگر کہ برآں جناب مکرر عرض شدہ وبشرف اصلاح نیافتہ'' (ص ۴)

''اس رسالے میں کوئی چیز ایسی نہیں لکھی گئی جسے شاہ صاحب نے ملاحظہ نہ فرمایا ہو اور اصلاح نہ فرمائی ہو''۔

اور خود شاہ صاحب نے اپنی خودنوشت میں اس کی تصدیق وتصویب فرمائی ہے:

''بعض اعزا خوان واجلہ خلان تفصیل آں واقعات باوقائع دیگر

دررسالہ مضبوط نمودہ اند وآں را بہ قول جلی مسمی کردہ اند جزاہ اللہ خیر الجزاء واحسن الیہ والی اسلافہ واعقابہ وادخلہ الی ماتیمناہ من دینہ ودنیا"
(ص ۹۴)

"ایک عزیز ترین بھائی اور محترم دوست نے ان باتوں اور میرے دوسرے حالات زندگی کو ایک رسالے میں جمع کردیا ہے اور اس کا نام قولِ جلی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہتر جزا دے اور ان کے بزرگوں اور اخلاف کے ساتھ اچھا معاملہ فرمائے اور ان کی دین اور دنیا کی خواہشوں کو پورا کرے"۔

کتاب تین اقسام (ابواب) پر مشتمل ہے:

۱۔ شاہ صاحب کے سوانح (ص ۷ تا ۲۷۹)
۲۔ شاہ صاحب کے ارشادات (ص ۲۷۹ تا ۳۶۶)
۳۔ تلامذہ و مسترشدین کے تراجم و فضائل (ص ۳۶۶ تا ۴۹۸)

ان میں سے پہلے دو باب ہی اہم اور اصل ہیں اور ۳۶۶ صفحات پر محیط ہیں تیسرے باب کو خود مؤلف نے بمنزلہ ذیل قسم اول قرار دیا ہے اور ۱۳۲ صفحات کا ہے۔

**اضافات:**

القول الجلی سے شاہ صاحب کے سوانح کے سلسلے میں ہماری معلومات میں جو اضافات ہوئے یا اب تک کی معلومات کی جو تصحیح ہوئی ہے ذیل میں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱)

شاہ صاحب کی والدہ (شاہ عبدالرحیم کی دوسری اہلیہ) کا نام فخر النساء تھا اور وہ "بعلم شریعت از تفسیر وحدیث عالمہ و بآداب طریقت متادبہ باقلیم حقیقت عارفہ و بمصداق اسم خود فخر النساء بودند و دریں معنی از بس از رجال سبقت نمودہ" (ص ۶)

(۲)

شاہ صاحب نے اپنے معلوم سفر حج سے پہلے بھی ایک بار حج کے ارادے سے سفر اختیار کیا تھا مگر کھنبایت سے لوٹ آئے تھے۔ بیس سال کی عمر میں ۱۱۳۴ھ میں ہی غالباً جذب کی سی کیفیت میں سفرِ حج کا عزم کرلیا تھا۔ والدہ تک سے حج کے بجائے توریے کے طور پر کسی دوسرے (قریبی) مقام کا نام لیا تھا اور زادِ راہ کی فکر کیے بغیر بے سروسامانی کے عالم میں نکل کھڑے ہوئے تھے اور کئی اصحاب طریقت بھی ساتھ ہو گئے تھے جنھیں لے کر پیدل روانہ ہو گئے تھے۔ راجپوتانے (راجستھان) کے راستے احمد آباد ہوتے ہوئے کھنبایت پہنچ گئے جہاں سے جہازوں کے ذریعے روانہ ہونا تھا مگر وہاں ایک اشارے کی بنا پر فسخ عزم کر کے واپس گھر تشریف لے آئے تھے (ص ۲۵۔۲۷) اس سفر پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحب کے پاس تین چار روپے سے زیادہ نہیں تھے۔ رفقاء بھی تہی کیسہ تھے، اتنا طویل سفر درپیش تھا مگر ایک وقت بھی فاقہ کی نوبت نہیں آئی بلکہ شاہ صاحب اور ان کے ہم سفر اصحاب مستقل طور پر اعلیٰ درجے کی غذا استعمال کرتے رہے۔

شاہ صاحب کے توکل کا یہ عالم تھا کہ رفقاء سفر اگر کفایت کے پیش نظر کم درجے کی غذا کا اہتمام کرنا چاہتے تو شاہ صاحب منع فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ "جب ہم نے اللہ تعالیٰ کے تکفل پر اعتماد کرلیا ہے تو اب اس کی مرضی یہ نہیں کہ کم تر درجے کی غذا استعمال کریں۔ تم میں سے جس کا جس چیز کو جی چاہے وہی غذا بے تکلف استعمال کرو" اس کے علاوہ شاہ صاحب سے اس سفر میں تسلسل اور تواتر کے ساتھ کرامات کا ظہور ہوا۔

(۳)

دوسری بار شاہ صاحب نے ۱۱۴۳ھ میں سفر حج کا عزم کیا اور ۸ ربیع الاوّل کو روانہ ہو گئے۔ ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۴۳ھ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ حج سے فراغت کے بعد ربیع الاوّل ۱۱۴۴ھ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ ۱۵ شعبان کو مکہ معظمہ واپس ہوئے۔ حج ثانی کیا اور ۱۴ رجب ۱۱۴۵ھ کو دہلی واپس پہنچ گئے۔

شاہ صاحب نے یہ سفر دہلی سے پنجاب اور سندھ ہوتے ہوئے سورت تک اس طرح کیا کہ راہ میں جہاں جہاں بزرگوں کے مزارات آتے ان پر حاضری دیتے اور مراقب ہوتے۔ پانی پت میں شاہ بوعلی قلندر کے، سرہند میں حضرت شیخ مجدد کے، لاہور میں شیخ ہجویری کے، ملتان میں مخدوم بہاء الدین زکریا اور شاہ رکن عالم کے مزارات پر حاضری دیتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے اور نصرپور سے ٹھٹھہ اور وہاں سے سورت پہنچے۔ سورت سے جہاز میں جدہ اور جدہ سے مکہ معظمہ پہنچے۔ واپسی میں سورت سے دوسرا راستہ اختیار فرمایا اور گوالیار میں خواجہ خانو اور شیخ محمد غوث کے اور آگرہ میں امیر ابوالعلی کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے دہلی واپس پہنچے۔

اس سفر میں ملتان میں بہت سے حضرات آپ سے بیعت ہوئے اور نصرپور میں تو بکثرت علماء فضلاء دور دور سے سفر کر کے آئے، آپ سے استفادہ کیا اور بیعت کی۔ ٹھٹھہ میں تو شہر کے تمام ہی علماء اور صوفیہ داخلِ سلسلہ ہوئے۔ انہی میں سندھ کے مشہور عالم اور مصنف محمد معین بھی تھے جو اجازت سے سرفراز ہوئے۔ (ص ۳۹ تا ۴۹)۔

شاہ صاحب کی ایک صاحبزادی صالحہ تھیں جو جوان اور شادی شدہ تھیں مگر شاہ صاحب کی حیات میں ہی ان کی رحلت ہوگئی تھی (ص ۱۷۵) شاہ صاحب کے ایک صاحبزادے میاں سعد الدین تھے (ص ۲۰۲) شاید یہ نوعمری ہی میں وفات پا گئے کیونکہ پھر کسی موقع پر ان کا نام نہیں آیا شاہ عبد العزیزؒ کا بیان ہے کہ ''والدین را اولاد بسیار مردہ بودند'' شاید میاں سعد الدین بھی عہد طفلی میں ہی وفات پا گئے۔

(۵)

شاہ صاحب مستقل طور پر مہندیوں میں مقیم تھے (جسے اس زمانے میں محمد وشمس نزور کہتے تھے) مگر صفدر جنگ (۱۷۵۴ء) کے ہنگامے کے دوران نیاز مندوں کی درخواست پر عارضی طور پر ''نئی دلی'' منتقل ہو گئے تھے (ص ۲۰۶)

وشمس نزور اس دور میں پرانی دلی میں شمار ہوتا تھا اور شاہجہاں کی بسائی ہوئی دلی

کو "نئی دلی" کہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں فرنگیوں نے اپنی نئی دلی بسائی تو شاہ جہاں کی دلی پرانی دلی بن گئی۔

(۶)

احمد شاہ درانی کے حملے کے دوران ۱۱۷۰ھ میں شاہ صاحب عارضی طور پر دِلّی سے بڈھانہ (ضلع مظفر نگر) منتقل ہو گئے تھے۔ (ص ۲۳۰)

(۷)

شعبان ۱۱۷۴ھ میں شاہ صاحب، بڈھانہ میں مقیم اور حسبِ عادت اعتکاف اربعین میں تھے۔ بازو میں درد محسوس ہونے لگا۔ درد جب شدید ہو گیا تو خلوت موقوف فرما کر علاج کی طرف توجہ فرمائی۔ درد کے ازالے کے بعد پھر خلوت اختیار فرمائی تو درد پھر عود کر آیا، جو علاج سے زائل تو ہو گیا مگر سقوطِ اشتہا، صلابتِ معدہ، سوءِ تنفس اور سوء القنیہ کے عوارض لاحق ہو گئے۔ مقامی اطباء کے علاج سے جب افاقہ نہیں ہوا تو دہلی سے ایک عقیدت کیش اور فاضل طبیب بڈھانے آئے اور معالجہ کا آغاز کیا مگر عوارض میں تخفیف نہیں ہوئی تو ۸ ذی الحجہ کو دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں متعدد اطباء نے اپنی اپنی تشخیص کے مطابق تدابیر اختیار کیں مگر عوارض میں اشتداد ہی ہوتا گیا ایک دن طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور اطراف سرد ہو گئے، نبض غائب ہو گئی تو معالج مایوس ہو گئے۔ اسی حالت میں ایک دن حضرت مرزا مظہر جان جاناں عیادت کے لیے تشریف لائے اور تخلیہ کر کے ڈیڑھ گھنٹہ تک مراقبہ کیا۔ مرزا صاحب کے رخصت ہوتے ہی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی اور آناً فاناً موت کے آثار مترتب ہونے لگے، یہاں تک کہ ظہر کے وقت (۳ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ کو) وصال ہو گیا (ص ۲۵۹۔۲۶۴)

(۸)

شاہ صاحب کے ذہنی ارتقاء کے جائزے کے لیے ان کی تالیفات کی ترتیب زمانی کا تعین ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی کوشش ڈاکٹر مظہر بقا نے کی تھی۔ اب

القول کی اشاعت کے بعد اس موضوع پر بات آگے بڑھائی جاسکتی ہے۔ دو کتابوں کے سنینِ تالیف کا تعین تیقن کے ساتھ ہوگیا ہے۔

(۱) فیوض الحرمین کی تالیف حجاز میں ہی ہوگئی تھی۔ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ واپسی (رمضان ۱۱۴۴ھ) میں اعتکاف کے دوران یہ کتاب تالیف کی گئی۔ (ص ۴۷)

(۲) المقدمۃ السنیہ کی تحریر بھی مکہ معظمہ میں اسی سال ہوئی۔ شیخ ابوطاہر کی فرمائش پر شاہ صاحب نے شیخ مجدد الف ثانی کے رسالہ ردِ روافض کی تعریب کی تھی۔ (ص ۴۶)

(۳) القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، یہ کتاب شاہ صاحب کے سفرِ حج (۱۱۴۳ھ) سے پہلے ہی مرتب ہوگئی تھی اور شاہ صاحب اسے ساتھ حجاز لے گئے تھے، جہاں شیخ ابوطاہر کردی نے اپنے ہاتھ سے اس کی نقل کی اور پھر شاہ صاحب سے اس کا درس لیا۔ دیارِ مغرب، بصرہ، مصر کے متعدد اصحابِ طریقت نے بھی اس کی نقول حاصل کیں اور شاہ صاحب سے اجازت حاصل کی۔ (ص ۴۷ و ۴۸)

(۹)

شاہ صاحب کے جو مکاتیب اب تک دریافت اور شائع ہو چکے ہیں، القول میں ان کے علاوہ متعدد نئے مکاتیب نظر آتے ہیں۔ مختلف مقامات پر القول میں ہی کل گیارہ مکاتیب ہیں ان میں سے ایک ایک مکتوب نجیب الدولہ، ملکہ زینت محل اور مخدوم محمد معین تتوی کے نام اور آٹھ مکاتیب شاہ محمد عاشق کے نام ہیں۔ (ص ۱۸۹، ۱۹۹، ۲۰۷، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۵۴، ۲۵۶، ۲۵۷، ۴۸۲)

(۱۰)

مکاتیب کے علاوہ القول میں شاہ صاحب کی بعض نئی تحریریں بھی ہیں، مثلاً

(۱) ایک مسترشد شیخ شرف الدین کی تالیف نقدۃ التصوف پر شاہ صاحب کی تقریظ (ص ۴۷۶)۔

(۲) شاہ صاحب نے خواجہ محمد امین کی درخواست پر "قواعد سوک" کے سلسلے میں رباعیات نظم فرمائی تھیں اور ساتھ ہی ان کی شرح بھی کی تھی۔ (ص ۳۱۱ تا ۳۱۳)

(۱۱)

القول میں شاہ صاحب کی حسب ذیل تصانیف وتالیفات کے نام دیئے گئے ہیں:

۱۔ تفہیمات الٰہیہ
۲۔ حجۃ اللہ البالغہ
۳۔ الخیر الکثیر
۴۔ لمحات
۵۔ ہمعات
۶۔ الطاف القدس
۷۔ فیوض الحرمین
۸۔ ہوامع
۹۔ فتح الرحمٰن
۱۰۔ اطیب النغم
۱۱۔ اعتصام الامین بحبل اللہ بذریعہ توسل ولی اللہ
۱۲۔ القول الجمیل
۱۳۔ سطعات
۱۴۔ انفاس العارفین
۱۵۔ المقدمۃ السنیہ
۱۶۔ المسوّٰی
۱۷۔ المصفّٰی
۱۸۔ قرۃ العینین
۱۹۔ الفوز الکبیر
۲۰۔ فتح الخبیر
۲۱۔ الانصاف
۲۲۔ شفاء القلوب
۲۳۔ عقد الجید
۲۴۔ مکتوب مدنی
۲۵۔ وصیت نامہ

مگر حیرت ہے کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہے اور مذکورہ کتابوں کے علاوہ شاہ صاحب کی اور بھی تالیفات ہیں۔ مثلاً

خود شاہ صاحب نے اپنی حسب ذیل دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) النخبۃ فی سلسلۃ الصحبۃ [۱۳]

(۲) الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین [۱۴]

حاشیہ رسالہ لبس الاحمر کا ذکر شاہ عبدالعزیز نے کیا ہے۔ [۱۵]

حسب ذیل کتابیں مطبوعہ ہیں:

| | |
|---|---|
| (۱) ازالۃ الخفاء | (۲) البدور البازغہ |
| (۳) تاویل الاحادیث | (۴) الجزء اللطیف |
| (۵) رسالۂ دانش مندی | (۶) الدر الثمین |
| (۷) النوادر | (۸) الارشاد الی مہمات الاسناد |
| (۹) تراجم ابواب بخاری | (۱۰) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ |
| (۱۱) اتحاف النبیہ | (۱۲) شرح تراجم ابواب بخاری |
| (۱۳) کشف الغین | (۱۴) سرور المحزون |
| (۱۵) السر المکتوم | (۱۶) صرف منظوم |

حسب ذیل دو کتابوں کا ذکر مولانا سیّد محمد نعمان رائے بریلوی نے کیا:[۱۶]

| | |
|---|---|
| (۱) منصور | (۲) اسرارِ فقہ |

حسب ذیل آٹھ تالیفات کا ذکر عبدالرحیم ضیا نے مقالاتِ طریقت میں کیا ہے:[۱۷]

| | |
|---|---|
| (۱) فتح الودود فی معرفۃ الجنود | (۲) عوارف |
| (۳) واردات | (۴) نہایات الاصول |
| (۵) الانوار المحمدیہ | (۶) فتح اسلام |
| (۷) ردّ روافض (دررِدّ گوہر مراد) | (۸) کشف الانوار |

(۱۲)

شاہ صاحب پر اب تک دستیاب مآخذ کی بناء پر میرا تاثر یہ تھا کہ وہ اپنی حیات میں نہ زیادہ متعارف تھے اور نہ مقبول۔ ان کا نام ان کے بعد شاہ عبدالعزیز کی شہرت کے بعد روشن ہوا تھا اور ۱۸۰۱ء میں لطف[۱۸] نے اور ۱۸۲۴ء میں[۱۹] رنگین نے ان کا تعارف شاہ عبدالعزیز کے والد کی حیثیت سے کروایا تھا، مگر القول الجلی کے مطالعے کے بعد یہ تاثر باقی نہیں رہا۔ شاہ صاحب اپنی حیات میں ہی متعارف تھے اور اللہ نے انہیں قبول خواص بھی عطا کیا تھا اور ان کی شخصیت میں ابتداء ہی سے بڑی جاذبیت تھی۔ وہ بیس سال کی عمر میں جب

اچانک اور کسی قدر اخفاء کے ساتھ اور پاپیادہ سفرحج کے لیے روانہ ہوئے تو نیازمندوں کی ایک جماعت ان کے ساتھ تھی۔ (ص ۲۵،۲۶،۲۹) بعد میں جیسے ان کے فضائل وکمالات نمایاں ہوتے گئے ان کا حلقۂ تعارف وارادت وسیع ہوتا گیا اور ان کے گرد ہجوم خلقت رہنے لگا۔ (ص ۱۱۵۔۱۵۸)

ان آنے والوں میں دعا خواہ عوام بھی تھے، طالبانِ علوم بھی، جادۂ طریقت کے راہ رو بھی، مرکزی حکومت کے اونچے درجے کے حکام بھی، ملکہ زینت محل بھی ان سے ربط ونسبت رکھتی تھی اور تخت نشینی کے امیدوار بھی۔ ایک بادشاہِ وقت احمد شاہ (۱۸۵۴ء۔۱۷۸۴ء) نے ان کے آستانے پر نیازمندانہ حاضری دی تھی۔ مختصر یہ کہ مدرسہ رحیمیہ کی طرف رجوع خلق شاہ عبدالعزیز کے عہد میں نہیں خود شاہ صاحب کے عہد میں ہونے لگا تھا اور صرف دہلی اور اس کے نواح نہیں کشمیر اور سندھ تک یہ سلسلہ دراز تھا۔ شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ میں (ستائیس سال کی عمر میں) سفرحج کے لیے نکلے اور پانی پت، سرہند، لاہور، ملتان ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے تو

"از ہمہ جا علماء وطلبہ خبر قدوم فیض لزوم ایشاں شنیدہ می دویدند وسعیہا می نمودند۔" (ص ۲۹)

"ان کی تشریف آوری کی خبر سن کر ہر طرف علماء اور طلبہ دوڑے آتے تھے اور استفاضے کی کوشش کرتے تھے"۔

نصرپور (نزد ٹھٹہ) میں سندھ کے کئی علماء دور دور سے آکر بیعت ہوئے اور اشغال کی اجازت حاصل کی (ص ۳۹) سندھ کے نامور عالم اور اہل قلم مخدوم محمد معین تتوی بھی اسی موقع پر داخلِ سلسلہ ہوئے تھے۔ سندھ کے بعد کشمیر کا درجہ ہے۔ شاہ صاحب کے مستفیدین اور عقیدت مندوں ہی میں سندھ کے بعد سب سے زیادہ تعداد کشمیر کے طالبان علوم اور مسترشدین کی ہے شاہ صاحب کے تلامذہ اور مسترشدین کی جو فہرست میں نے "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" میں دی ہے (ص ۵۰،۵۱) ان کے علاوہ حسب ذیل منتسبین کے

نام القول الجلی میں ملے۔

۱۔ مولوی محمد اعظم کشمیری (ص ۷، ۱۴۴، ۱۹۶) ۲۔ محمد قطب رہتکی (ص ۳۴)
۳۔ ہدایت اللہ تتوی (ص ۸۳) ۴۔ سید محمد خاں سندھی (ص ۸۸)
۵۔ سلطان حسین (ص ۸۹) ۶۔ شیخ شمس الحق (ص ۹۰)
۷۔ میر افضل (ص ۱۱۱) ۸۔ خواجہ ابوالخیر کشمیری (ص ۱۷۷)
۹۔ ہبتہ اللہ (ص ۱۳۳) ۱۰۔ حافظ محمد کشمیری (ص ۱۷۷)
۱۱۔ شیخ محمد مراد بدخشی (ص ۱۵۸) ۱۲۔ حافظ محمد افضل کشمیری (ص ۱۷۷)
۱۳۔ حکیم ابوالوفا کشمیری (ص ۲۴۳، ۲۵۶، ۲۵۷) ۱۴۔ خواجہ عبدالحکیم (ص ۲۵۵)
۱۵۔ محمد جواد (ص ۲۵۸) ۱۶۔ محمد بیگ (ص ۲۶۲)

(۱۳)

میں نے ''شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان'' میں متفرق مقامات سے شاہ صاحب کے اشعار یک جا کر دیے ہیں مگر القول الجلی میں جو مزید اشعار نظر آئے وہ یہاں درج کیے جاتے ہیں:

کہ باور دارد ایں حرف از فقیرِ خاکسارِ من
کہ ظلِ عالمِ قدس است انکار و قبولِ او
ندارد باطنش از خویش آئینہ صفت رنگے
طلسمِ حیرت آموزست تمکین و فضولِ او
شعاعِ آفتاب از راہ ایں روزن ہمی ریزد
بجز ایں نکتہ نتواں بست مضمونِ وصولِ او
حباب آسا ز خود خالی ز سطحِ بحر می جوشد
وجود او نمود او شہود او حصولِ او
(ص ۲۵۶)

## رباعیات

علمے کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃ نبی ست
واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست
جائے کہ بود جلوۂ حق حاکمِ وقت
تابع شدنِ حکم خرد بولہبی ست
(ص ۳۱۱)

دانی چہ بود نہجِ قدیم اے دلدار!
شغلِ دلِ تو با ظاہر و باطن با یار
ایں را شوی از درسِ عوارف عارف
واں فن ذِکر بار بگیر از احرار
(ص ۳۱۱)

در مذہبِ ما ہست ز اسباب غرور
ذکرے کہ بود عاطل از انوارِ حضور
در حاشیہ نفی بشو از خلق نفور
از جانبِ اثبات برو سوئے غفور
(ص ۳۱۱)

مستی دولہ شرطِ طریق افتاد ست
بے مست شدن کار کسے نکشاد ست
در ذکرِ خفی جہر تخیل کردن
شرط ست ز استاد طریقم یاد ست
(ص ۳۱۱)

خواہی کہ مۓ حرفِ محبت نوشی
باید کہ بتقلیلِ علائق کوشی
دل را ز خیالاتِ جہاں صرف کنی
چشم از صُورِ جملۂ عالم پوشی
(ص ۳۱۲)

درعشقِ تو از جملہ جہاں بگزشتم
و ز ہرچہ بجز یادِ تو زاں بگزشتم
مقصود ایں بندہ بجز وصل تو نیست
اندر طلب از دل و جاں بگزشتم
(ص ۳۱۲)

دائم دلِ من پیشِ توحاضر باشد
چشم برخِ خوبِ تو ناظر باشد
در مذہبِ ما شرکِ جلی ست و صریح
گر سوۓ دگر خطرۂ خاطر باشد
(ص ۳۱۲)

دانی چہ بود سہل کثیر البرکات
درمشربِ اہلِ دل وجودِ عدمات
تحصیلِ علوم ست بسعی مانع
در نفیِ خواطر و در شدِ جہات
(ص ۳۱۲)

خوش آں کہ بانوارِ وضو رنگین ست
زیرا کہ طہارت ز اصول دین ست
تنویرِ دل و نفیِ خواطر خواہی
اقوی ذریعۂ حصولش این ست
(ص ۳۱۲)

تحصیلِ عدم اگر ندانی کردن؟
باید نظرِ اہل فنایت جستن
این داءِ عضال را دوائے بہ ازین
در حکمت اہلِ بذل نخواہی دیدن
(ص ۳۱۲)

آناں کہ ز اوثانِ بہی رستند
با لجۂ انوارِ قدم پیوستند
فیضِ قدس از ہمتِ ایشاں می جو
دروازۂ فیضِ قدس ایشاں ہستند
(ص ۳۱۲)

آں ذات کہ ازقید جہت بیرون ست
ازحیطۂ اسماء و صفت بیرون ست
ہرمرتبہ زاں ذات نشانے دارد
ہرچند ز تعیین سمت بیرون ست
(ص ۳۱۲)

ہر مدرکہ شد مظہر آں یار عجیب
ظاہر شد از صورتش آثارِ عجیب
درلوحِ دل ار ثبت کنی صورتِ او
پیدا شود از لوحِ دل اسرارِ عجیب
(ص ۳۱۲)

اے دوست توئی دیدۂ بینائیِ من
شنوائی و دانائی و گویائیِ من
عشقِ تو و ہم دلِ غم دیدۂ من
و اندر دل غم دیدہ شکیبائیِ من
(ص ۳۱۳)

## درشانِ شاہ عاشق

آنی توکہ از نامِ تو می بارد عشق
از نامہ و پیغامِ تو می بارد عشق
عاشق شود آں کس کہ بکویت گزرد
آرے ز در و بامِ تو می بارد عشق
(ص ۴۸۳)

## تاریخِ سفرِ حج

ز دہلی بر آمد ولی بہر حج
بہشتم صباح از ربیع دوم
ہزار و صد و چہل و سہ سال بود
کہ ایں داعیہ گشت با فعل ضم
(ص ۴۹)

تاریخِ مراجعت از سفرِ حج

ولی چوں پس از حج بدہلی رسید
سر آمد سفر منقطع گشت رنج
بتاریخ رابع عشر از رجب
ز سالِ ہزار و صد و چہل و پنج

(ص ۴۹)

۱۴

## ایامِ عاشورہ میں فاتحہ

"در ایام عاشورہ از جانب ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین مکرر اشارات معلوم شد کہ چیزے برائے فاتحہ ایشاں باید کرد بنا بر آں روزے چیزے از حلاوت حاضر کردہ شد و قرآن ختم نمودہ فاتحہ خواندہ شد پس سرور و ابتہاج از ارواح طیبہ ایشاں مشاہدہ افتاد۔"[۲۰]

(ص ۸۰۔۸۱)

"ایام عاشورہ میں ائمۂ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف سے ایک سے زیادہ بار یہ اشارات ملے کہ ان کی فاتحہ کے لیے کچھ اہتمام کرنا چاہیے اس لیے ایک دن کچھ شیرینی منگائی گئی اور قرآن کریم کا ختم کر کے فاتحہ پڑھی گئی تو ان حضرات کی ارواحِ پاک کی طرف سے خوشی کی کیفیت نظر آئی۔"

## زیارت موئے مبارک

در دوازدہم ربیع الاول بحسب دستور قدیم قرآن خواندم و چیزے

نیاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قسمت کردم و زیارت موئے[۲۳] شریف نمودم۔" (ص ۷۴)

"بارہ ربیع الاول کو میں نے دستور قدیم کے مطابق قرآن پاک کی تلاوت کی اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیاز کے طور پر کچھ تقسیم کیا اور موئے شریف کی زیارت کی۔"

## عرس

"روز مجلس عرس حضرت بزرگ قدس سرہٗ حضرت ایشاں برمزار پر اسرار نشستہ بودند" (ص ۳۶)

شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالرحیم صاحب کے عرس کی مجلس میں ان کے مزار پُر اسرار پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"حضرت ایشاں فرمودند کہ شبِ عرس حضرت شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کہ در مقبرۂ شاں ہنگامہ وسرودے و بمرد ماں شوق ووجدے بود، در مسجد خویش بعد عشا نشستہ بودم کہ یک پارۂ نور آوردند و گفتند وآنچہ درآں جا ذوق وشوق و برکاتِ توجہ روح مبارک شاں بود ہمہ مرکب شدہ ایں صورت گرفتہ کہ ارسال یافتہ" (ص ۱۰۱)

شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ میرے چچا حضرت شاہ ابوالرضا محمد قدس سرہٗ کے عرس کی رات ان کے مقبرے میں محفل سماع برپا تھی اور حاضرین پر شوق ووجد کی کیفیت طاری تھی میں عشاء کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھا تھا کہ ایک پارہ نور لایا گیا اور کہا گیا کہ محفلِ عرس میں جو ذوق وشوق

اوران کی روح مبارک کی توجہ کی برکات تھیں وہ سب مرکب ہوکر اس
نور کی شکل اختیار کرگئی ہیں جو تمہارے پاس بھیجا گیا ہے

''ہم دراں ایام موسم عرس حضرت شیخ
بزرگ عبدالرحیم قدس سرہٗ رسیدؔ''
'' انھی دنوں حضرت شاہ عبدالرحیم کے
عرس کا وقت آ گیا'' (ص ۲۵۵)

## قبر پر مراقبہ

''فرمودند۔۔۔پس ما بر مزارِ شریف (والد ماجد) اکثر اوقات متوجہ بروحانیت شاں می نشستم
پس راہِ حقیقت بر ما کشادہ شد'' (ص ۲۶۳)

''شاہ صاحب نے فرمایا میں اکثر والد ماجد کے مزار پر ان کی روحانیت کی طرف توجہ کر کے
بیٹھ جایا کرتا تھا جس سے راہِ حقیقت مجھ پر واضح ہوگئی۔''

## تعویذ

(۱) ''حضرت ایشاں بقصبۂ رہتک تشریف بردند و برائے اطفال تعویذ ہا نوشتند'' (ص ۳۴)

''شاہ صاحب (ایک بار) رہتک گئے ہوئے تھے اور وہاں مخلصوں کے بچوں کے لیے
تعویذ لکھ رہے تھے۔''

(۲) شاہ صاحب کے ایک مسترشد حافظ عبدالرحمان کا بیان ہے کہ میرا بچہ چیچک میں مبتلا
ہوگیا، میں نے حضرت (شاہ ولی اللہ) سے گزارش کی، حضرت نے تعویذ عنایت کیا اور بچے
نے شفا پائی۔ (ص ۱۰۱)

"ہر کہ از آں جناب استفاضۂ شفا از علل و امراض مے نماید تعویذ و دعا
بایشاں حوالہ مے فرمایند۔" (ص ۴۵۴)

"جو کوئی شاہ صاحب سے بیماری سے شفا حاصل کرنے کے لیے توجہ کی درخواست کرتا آپ
تعویذ اور دعا کے لیے حافظ عبدالرحمان کے حوالے فرما دیتے۔"

۴۔ شاہ صاحب کے ایک مسترشد سلطان حسین خاں کا بچہ شدید بیمار ہو گیا اس کی درخواست
پر آپ نے ایک ظرف چینی پر آیاتِ قرآنی اور اسماءِ الٰہی لکھ کر اس کو دے دیئے کہ اسے دھو کر
بچے کو پلا دو اور تین دن تک پانچ روپے روزانہ "نیاز بزرگان" کے طور پر ہمیں لا کر دو۔ ان
پانچ روپوں میں سے ایک روپیہ حضرت غوث اعظم اور ان کے اولیاء سلسلہ کا اور ایک روپیہ
خواجگان چشت کا اور ایک روپیہ سلسلۂ سہروردیہ و کردیہ کا اور ایک روپیہ سلسلۂ شطاریہ
و شاذلیہ کا۔ مسترشد نے اس پر عمل کیا، بچے نے شفا پائی اور اس نے مقررہ نیاز لا کر پیش کیا۔
(ص ۸۹، ۹۰)

## انگوٹھی

"بارے در شرفِ زہرہ در قمر ساختنِ دو انگشتری اتفاق افتاد و بدو کسے از نسواں حوالہ نمود۔
(ص ۱۱۰)

"ایک بار میں (شاہ صاحب) نے شرف زہرہ در قمر میں دو انگوٹھیاں بنائیں اور عورتوں کو
(پہننے کے لیے) دیں۔"

## فضائل درود

"از آں جملہ آنست کہ خوانندۂ درود از رسوائی [illegible] ماند و خللے در آبرو نہ پذیرد"
(ص ۲۷۔ ۲۷۷)

"درود شریف کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا دنیا کی رسوائی سے محفوظ
رہتا ہے اور اس کی آبرو میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔"

## غوثِ اعظم

شاہ صاحب نے اپنے ارشادات میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے لیے متعدد مواقع پر غوث اعظم کا استعمال کیا ہے (ص ۸۱۔۲۸۵) غوثِ اعظم کا استعمال بعض حضرات کی نظر میں قابلِ اعتراض ہے۔

## سدا سہاگ

''در ہنگام عبور در احمد آباد بر قبر موسیٰ سہاگ کہ مجذوبے مشہور بود گزر افتاد'' (ص ۳۳۶)

''(ایک سفر کے دوران) احمد آباد سے گزرتے ہوئے موسیٰ سہاگ کی قبر پر تشریف لے گئے جو ایک مشہور مجذوب تھے۔''

یہ بزرگ سدا سہاگی فرقے سے تعلق رکھتے تھے اور

''اتباع وے ہمہ متشبہین بہ نساء بودند و در سِن تشبہ اقتدا بوے داشتند''

''موسیٰ سہاگ کے پیروان کی اقتدا میں (لباس و اوضاع میں) عورتوں سے مشابہت اختیار کرتے تھے''۔

شاہ صاحب کے ان ملفوظات و معمولات کو پڑھ کر شاہ صاحب کی طرف ان کے انتساب میں تامل ہوتا ہے۔ اور سوچنا پڑتا ہے کہ یہ شاہ صاحب کے ہو سکتے ہیں؟ اس تامل کی وجہ یہ ہے کہ اب تک ہمارے ذہن میں شاہ صاحب کی جو تصویر تھی وہ اس تصویر سے بہت مختلف ہے جو القول الجلی کے آئینے میں نظر آتی ہے اور اب تک ہم شاہ صاحب کو جس مسلک فقہی کا ترجمان اور داعی سمجھتے تھے یہ تحریریں اس سے مختلف ہیں۔

ہمیں تسلیم ہو یا نہ ہو اور پسند آئے یا نہ آئے ان ملفوظات و معمولات کے شاہ صاحب کی طرف استناد میں کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ القول الجلی اس شخص کی مرتبہ ہے جو شاہ صاحب کا سب سے مستند ترجمان تھا، جسے خود شاہ صاحب نے ''اعزا خوان واجلۂ خلان'' لکھا ہے اور جسے شاہ عبدالعزیز نے شاہ صاحب کا ''اجل خلفاء'' لکھا ہے۔ پھر اس نے

"ہیچ چیز دریں رسالہ بقید قلم نیاوردہ مگر کہ برآں جناب مکرر عرض شدہ وبشرفِ اصلاح تشریف یافتہ۔" (ص ۴)

"اس رسالے میں کوئی بات ایسی نہیں لکھی جو ایک سے زیادہ بار شاہ صاحب کو نہ دکھائی گئی ہو اور اس پر شاہ صاحب نے (ضرورت ہوئی تو) اصلاح نہ فرمادی ہو"۔

پھر خود شاہ صاحب نے اس کتاب کی تصدیق وتصویب فرمادی تھی۔ ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس کتاب کا بڑا حصہ شاہ صاحب کے جن ملفوظات وارشادات پر مشتمل ہے وہ نئے نہیں ہیں بلکہ ان کی تالیفات سے منقول ومقتبس ہیں اور یہ تالیفات سب کی سب غیر مطبوعہ نہیں ہیں بلکہ ان میں سے تفہیمات الٰہیہ، فیوض الحرمین، ہمعات، انفاس العارفین مطبوعہ ہیں۔

کسی بھی شخصیت سے اعتنا اور اس کے افکار وآراء کے جائزے کے سلسلے میں صحیح اور دیانتدار طرزِ فکر وعمل یہ ہے کہ ہم یہ تحقیق کریں کہ اس کے افکار وآراء کیا ہیں! نہ یہ کہ کیا ہونے چاہئیں! اور تحقیق وتلاش کے بعد ان افکار وآراء ہی کو تسلیم کر کے یہ فیصلہ دیں کہ ان کو رد کریں یا قبول اور اس شخصیت کو پسند کریں یا ناپسند! یہ طرزِ فکر وعمل صحیح نہیں ہے کہ پہلے ہم یہ طے کریں کہ صحیح نظریہ یا مسلک یہ ہے۔ لہٰذا اس شخصیت کا بھی یہی نظریہ اور مسلک ہونا چاہیے اور اس کے منہ میں اپنے الفاظ کو ڈال دیں۔ اس کی تحریروں میں الحاقات کے ذریعے اپنے پسندیدہ نظریات شامل کردیں یا مستقل رسائل وکتب تصنیف کر کے اس کی طرف ان کا انتساب کر کے اسے اپنے پسندیدہ مسلک سے مشرف کردیں۔

شاہ صاحب کے ساتھ تو ابتداء ہی سے یہ معاملہ روا رکھا گیا ہے، ان کی کئی کتابوں (تاویل الاحادیث، ہمعات، عقد الجید وغیرہ) میں حذف والحاق کیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کی طرف بر سبیل غلط مستقل چھ کتابیں منسوب کردی گئیں:

۱۔ قرۃ العینین فی ابطال شہادت الحسنین۔

۲۔جنۃ العالیہ فی مناقب المعاویہ
۳۔البلاغ المبین
۴۔تحفۃ الموحدین
۵۔اشارۂ مستمرہ
۶۔قول سدید

پہلی دو کتابیں ایک شیعہ مولف، مرزا لطف علی نے منسوب کی ہیں مگران کا صرف نام ہے وجود نہیں ہے، باقی چار کتابیں بار بار طبع کی جاتی رہیں اوران ہی کی کثرت اشاعت سے شاہ صاحب کے مسلک کے متعلق جوتاثر اب تک عام رہا ہے وہ "القول الجلی فی ذکر آثار الولی" کے مشتملات کے برعکس ہے۔

شاہ صاحب کے اخلاف کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا۔شاہ عبدالعزیز کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کے طبع ہوتے ہی اس میں الحاقات کیے گئے جو شاہ صاحب کے مسلک سے متضاد تھے شاہ صاحب نے اپنے ایک مکتوب[۴] میں ان سے برأت ظاہر کی اور اسے الحاق قرار دیا۔

حواشی

۱۔ص ۱۹۴۔الجزء اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف، مطبع احمدی دہلی (۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء)

۲۔ص ۹۱۲۔ابجد العلوم، مطبع صدیقی بھوپال سنہ (۱۲۹۶ھ/۱۸۸۰ء) وص ۴۳۰ اتحاف النبلاء مطبع نظامی کان پور (۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء)

۳۔ص ۲۵۸۔تذکرہ علماءِ ہند، رحمان علی نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء (اشاعت دوم)

۴۔ص ۲۹۔شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، دہلی ۱۹۶۹ء

۵۔کتاب کے تین ابواب میں سے پہلا باب شاہ صاحب کے سوانح کے لیے مختص ہے وہی اس مخطوطے میں سے غائب ہے

ہمیں ورق کہ سیہ گشت مدعا ایں جاست

۶۔ کتب خانہ انوریہ، تکیہ شریف، کاکوری ضلع لکھنو، اتر پردیش بھارت۔ ترجمہ ۶۷۹ صفحات پر مشتمل ہے آغاز میں جناب مولانا ابوالحسن زید فاروقی (سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر، دہلی) کا ۵۵ صفحات کا مقدمہ اور ۲۱ صفحات کی عرض مترجم، مزید علیہ ہیں۔

۷۔ شاہ ابوالخیر اکادمی، شاہ ابوالخیر مارگ دہلی نمبر ۶ بھارت کتاب ۴۹۸ صفحات پر مشتمل ہے آخر میں ۵ صفحات کا اختتامیہ اور ۵۵ صفحات کا مقدمہ (از مولانا ابوالحسن زید) بھی شامل ہے۔ مخطوطہ کی کتاب ۲۵ شعبان ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۸۱۳ء کو ہوئی ہے ضخامت ۴۹۸ صفحات سطور فی صفحہ ۱۹، کتاب کی مخطوطہ کے مصورہ (فوٹو سٹیٹ) کے ذریعے طباعت اس پہلو سے تو صحیح ہے کہ مشتملات کتاب کے اعتبار و استناد میں کسی کو کلام کی گنجائش نہ رہے اور الحاق یا ترمیم و تحریف کا شائبہ نہ پیدا ہو مگر یہ شکل کتاب سے استفادے میں حارج ہے اور کاتب کے خوش قلم اور محتاط نہ ہونے کی وجہ سے بکثرت مقامات ما بقرء نہیں ہیں اور پھر فہرست مضامین اور اشاریہ رجال و اماکن و کتب کی کمی بھی بہت محسوس ہوئی ہے۔ اور کتاب سے استفادہ محنت طلب ہو گیا ہے۔

۸۔ نصر پور، ٹھٹھہ کے قریب ایک شہر ہے اس دور میں یہ بندرگاہ بھی تھی فیروز تغلق نے ۷۵۲ھ میں اسے آباد کیا تھا۔

۹۔ صالحہ، شاہ صاحب کی پہلی اہلیہ سے سب سے پہلی اولاد تھیں۔ ان کی ولادت ۱۱۴۳ھ میں ہوئی۔ ان کے بعد ۱۱۴۵ھ میں شاہ محمد اور ۱۱۴۸ھ میں امۃ العزیز کی ولادت ہوئی۔ مقالہ مولانا نور الحسن راشد، فکر و نظر اسلام آباد جلد ۲۵ شمارہ ۱ (جولائی ستمبر ۱۹۸۷ء)

۱۰۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ

۱۱۔ اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد۔

۱۲۔ المقدمۃ السنیہ بھی شاہ صاحب کی گم شدہ یا گم کردہ کتابوں میں سے تھا۔ یقینی طور پر اس کا وجود صرف ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی ٹونک میں تھا۔ اس کے علاوہ دو ایک نجی ذخیروں میں اس کے مخطوطات کی صرف خبریں ہی تھیں۔ اب مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے ۱۹۸۳ء میں یہ مخطوطہ حاصل کر کے شائع کر دیا ہے۔

ساتھ ہی شیخ مجدد کا اصل فارسی رسالہ بھی۔

۱۳۔اجازہ بنام شیخ جاراللہ، مقدمہ المسوی، طبع مکہ معظمہ۔

۱۴۔اجازہ بنام شیخ محمد بن پیر محمد، الخیر الکثیر طبع ڈابھیل۔

۱۵۔فتاویٰ شاہ عبدالعزیز دہلوی ص ۱۲۸ مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۹۲ء

۱۶۔مکتوب بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، صفر ۱۳۸۵ھ

۱۷۔تالیف ۱۸۷۴ء مطبع تین کرتان، حیدرآباد دکن۔

۱۸۔گلشن ہند ص ۲۶، از مرزا لطف علی، طبع دکن ۱۹۰۶ء

۱۹۔وصیت نامہ از سعادت یار خاں رنگین، مشمولہ وصایا اربعہ مرتب محمد ایوب قادری، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ۔

۲۰۔غالباً اس کے بعد شاہ صاحب ہر سال مستقلاً یہ محفل منعقد فرماتے رہے اور ان کے بعد شاہ عبدالعزیز نے اس تسلسل کو برقرار رکھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| درتمام سال دو مجلس درخانۂ فقیر منعقد می شوند (۱) مجلس ذکر وفات شریف: (۲) مجلس ذکر شہادت حسنین۔ | سال بھر میں دو مجلسیں خاکسار کے ہاں برپا ہوتی ہیں (۱) ذکرِ وفات شریف کی مجلس اور (۲) ذکرِ شہادت حسنین کی مجلس۔ |

(ص) فتاویٰ عزیزی مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ)

۲۱۔ربیع الاول کو حضور اکرم ﷺ کی نیاز شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ بھی دلایا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں: یک سال درایام وفات حضرت رسالت پناہ ﷺ چیزے فتوح نہ شد کہ نیاز آں حضرت طعامے پختہ شود یعنی حضرت رسالت پناہ ﷺ کی وفات کی تاریخوں میں ایک سال کوئی چیز میسر نہ ہوئی کہ حضور ﷺ کی نیاز کے طور پر کچھ پکایا جائے۔ چنانچہ بھنے ہوئے چنے اور گڑ کی نیاز دی۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے پیش کئے جا رہے ہیں اور وہ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بھی پیش کیا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس پر نہایت خوش دلی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور اس میں سے کچھ تناول فرمایا اور باقی حاضرین مجلس میں تقسیم فرما دیا۔ (ص ۴۲ انفاس العارفین، طبع احمدی دہلی)

۲۲۔ یہ موئے مبارک، شاہ عبدالرحیم کو عطا ہوا تھا، شاہ ولی اللہ نے اس کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ والد صاحب فرماتے تھے کہ ''ایک بار بیماری کے تسلسل سے میری حالت غیر ہوگئی اسی حالت میں خواب میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور مجھے آغوش میں لے لیا اور اپنی ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو موئے مبارک مجھے عطا فرمائے، بیدار ہونے پر میں نے وہ موئے مبارک تکیے کے نیچے پائے اور بیماری اور نقاہت بھی زائل ہوگئی۔'' شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موئے مبارک شاہ ولی اللہ کو عطا کیا تھا اور ایک شاہ اہل اللہ کو، اہل اللہ اسے پھلت لے گئے تھے اور وہاں اب تک شاہ محمد عاشق کے اخلاف کے پاس ہے، شاہ ولی اللہ کے ہاں اس موئے مبارک کی سالانہ زیارت ہوتی تھی، مولانا فضل رسول بدایونی (جو شاہ عبدالعزیز کے معاصر خورد ہیں) لکھتے ہیں کہ زیارت کے موقع پر موئے مبارک کا صندوقچہ شاہ اسمٰعیل اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے (ص ۴۰ انفاس العارفین و ص ۶ الدر الثمین از شاہ ولی اللہ و ص ۱۰۶ العوارف الحمدیہ از مولانا فضل رسول بدایونی)

# شاہ ولی اللہ کے حالات
## شاہ عبدالعزیز کی زبانی

### ملفوظات شاہ عبدالعزیز

القول الجلی کے بعد میرے خیال میں بڑی اہمیت شاہ عبدالعزیز کے ان اقوال وبیانات کی ہے جو ان کے ملفوظات میں پائے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کے آخری چند سالوں کے ملفوظات ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء میں ان کے ایک حاضر باش مسترشد نے مرتب کئے ہیں اور ایک ارادت کیش قاضی بشیرالدین میرٹھی نے ۱۳۱۴ھ میں پہلی بار مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع کئے تھے۔

افسوس ہے کہ ان مسترشد کے نام کا پتہ نہیں چلتا، ملفوظات کے ناشر کا بیان ہے کہ حاصل شدہ نسخے کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے جامع ملفوظات کا نام پڑھا نہیں جا سکا، ہمارے سامنے ملفوظات کا ایک مخطوطہ بھی ہے مگر اس کے آغاز میں بھی جامع نے مطبوعہ نسخے کی طرح خود کو فقیر تحریر کیا ہے۔ نام لکھا ہی نہیں۔ ہوسکتا ہے آخر میں جامع نے اپنا نام لکھا ہو اور وہ ناشر سے نہ پڑھا جا سکا ہو مگر مخطوطہ کے آخر میں جامع یا کاتب کا نام درج نہیں ہے، البتہ سن کتابت ۱۲۵۰ھ درج ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شاہ صاحب کے وصال ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۳ء سے صرف گیارہ سال بعد مکتوبہ ہے، یہ نسخہ مولانا نذر علی دردکاکوروی (۸/ ۶۵۸ عزیز

آباد کراچی) کی ملک ہے، انھیں اپنے والد محمد حبیب علی علویؒ قادری سے ورثہ میں ملا ہے، علوی صاحب نے آغاز میں جامع کے متعلق اپنا قیاس یوں ظاہر کیا ہے۔ "غالباً جمع فرمودہ شاہ ادادانی صاحب کہ یکے از خلفائے جیدآں جناب (شاہ صاحب) بودند بسیار مقبول پیر خود۔" افسوس ہے کہ ہم شاہ ادادانی صاحب کی شخصیت سے ناواقف ہیں، ممکن ہے کہ ان کے حالات میں ان کی اس تالیف کا سراغ مل جائے۔ ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری کا قیاس یہ ہے کہ جامع کا تعلق میرٹھ سے تھا، کیونکہ آغاز ہی میں وہ لکھتے ہیں کہ جب میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنے جن دوستوں کے پیغام سلام عرض خدمت کئے وہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ مولوی عسکری صاحب غلام انبیاء خاں صاحب شیخ لطف علی شیخ مبارک اللہ وغیرہ۔

جامع کا نام علم میں نہ ہونے سے اگرچہ شاہ صاحب کی طرف ملفوظات کی نسبت مشتبہ اور محل نظر ہو جاتی ہے، مگر ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے، اولاً تو مطبوعہ نسخے کے علاوہ جو مخطوطہ ہمارے پیش نظر ہے وہ ترتیب ملفوظات اور شاہ صاحب سے بہت قریب العہد ہے، پھر ملفوظات کے اکثر مشتملات کی دوسرے مآخذ (خصوصاً شاہ ولی اللہ کی تحریروں) سے بھی تصویب و تصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے حواشی میں حسب ضرورت اس کی صراحت کر دی ہے۔

مولف کی دیانت کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں بھی وہ کسی ملفوظ کو بروقت قلم بند نہیں کر سکے ہیں، انھوں نے اس کا اظہار کر دیا ہے، مثلاً ایک مقام پر نصف ملفوظ نقل کر کے بقیہ نصف نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

"ازیں جا ایں قصہ بعد سہ ماہ بموجب یاد خود کہ باعتماد آں سفیدی گزاشتہ بودم نوشتہ ام"

(ص ۱۰۸)

"یہاں سے اس قصے کو تین مہینے کے بعد لکھتا ہوں، اپنے حافظے کے بھروسے پر میں نے یہاں

جگہ چھوڑ دی تھی۔"

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہر ملفوظ کو بروقت لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک مقام پر شاہ صاحب کی ایک تاریخی تحقیق کا صرف خلاصہ نقل کیا ہے کہ:

"ایں وقت بسبب ضیق فرصت بقلم نمی آید مگر یاد است انشاء اللہ العزیز بشرطِ فرصت و یاد خواہم نگاشت۔" (ص ۹۷)

"اس وقت فرصت نہ ہونے کی وجہ سے (پوری گفتگو) نہیں لکھ رہا ہوں، مگر یاد ہے اللہ نے چاہا تو بشرط فرصت و یاد لکھوں گا۔"[1]

اس سے بھی اسی قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ وہ دن کے دن لکھ لینے کا اہتمام کر لیتے تھے۔

یہ ضرور ہے کہ ملفوظات کے انداز بیان اور زبان سے ان کے اہلِ علم ہونے کا اظہار نہیں ہوتا۔ اندازِ بیان علمی و ادبی نہیں ہے، زبان (فارسی) مقامی اور غیر معیاری تو ہے ہی مگر بالعموم اغلاط سے بھی خالی نہیں ہے۔

علم کی کمی ہی کی وجہ سے زیادہ تر اشعار، لطیفے اور قصص و حکایات نقل کیے ہیں۔ علمی موضوعات پر جن تقاریر کو نگاہیں کتاب میں ڈھونڈتی ہیں وہ نہیں ملتیں حال آنکہ شاہ صاحب کی بزم میں زیادہ تر علمی و فنی موضوعات معرضِ کلام میں آتے ہوں گے اور شاہ صاحب ان پر دادِ تحقیق دیتے ہوں گے، جامع کو اگر علمی ذوق ہوتا اور ان تقریروں کو سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو ان کو محفوظ کر لیتے اور آج یہ سرمایہ ہمارے لیے بہت منفعت بخش ہوتا۔

بعض ملفوظات کی نسبت کی صحت تسلیم کرنے کی تو ہماری عقیدت کسی طرح اجازت نہیں دیتی، مثلاً صفحہ ۲۷ کا مکالمہ اور صفحہ ۶۶ کا شعر اور صفحہ ۵۵ کی حکایت شاہ صاحب کے وقار و ثقاہت اور ان کی بزم کے تقدس و شائستگی سے اس قسم کے فحش لطیفوں اور عامیانہ اشعار کا کوئی میل نہیں ملتا۔

بہر حال شاہ ولی اللہ کے احوال و سوانح کے سلسلے میں کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔
کتاب میں جہاں جہاں شاہ ولی اللہ کا ذکر آیا ہے ہم نے انھیں ایک ترتیب سے جمع کرلیا ہے۔

## شاہ ولی اللہ کی تاریخ ولادت و وفات[۲]

"تاریخ تولد شاہ ولی اللہ چہارم شوال و چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ بود تاریخ وفات "او بود امام اعظم دیں" دیگر "ہائے دل روزگار رفت" بیست نہم محرم وقت ظہر" (ص ۴۰)۔

"شاہ صاحب کی تاریخ ولادت چہار شنبہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ ہے اور تاریخ وفات "او بود اما اعظم دیں" اور "ہائے دل روزگار رفت" سے نکلتی ہے۔ (۱۱۷۶ھ) ۲۹ محرم وقت ظہر"۔

## شاہ صاحب کا حافظہ

"مثل والد ماجد حافظہ ندیدہ ام" (ص ۱۱)

"والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا"۔

## شاہ صاحب راجپوتانے میں

ہنگام سفر مکہ معظمہ حضرت والد ماجد در ملک راجپوتانہ ثبوت پیوست کہ یک کھٹل مثل بچھوہ خرد بود از جہت زہر رنگ سبز بنظر می آمد ہر کہ رانیش می زدی مُرد (ص ۷۳)

"مکہ معظمہ کے سفر کے دوران والد ماجد کو راجپوتانے میں اس بات کی تحقیق ہوئی کہ ایک کھٹل، چھوٹے بچھوے کی طرح ہوتا ہے، زہریلا ہونے کی وجہ سے وہ سبز نظر آتا تھا۔ جس کسی کو ڈنک مار دیتا تھا وہ مر جاتا تھا"۔

## سیّدنا حسن کا قلم

"چوں والد ماجد بمکہ معظمہ رسید حضرت امام حسن را بخواب دید کہ چادرے برسر انداختہ و قلم عنایت کردند و فرمود ایں قلم جد من ست بعد ازاں فرمود باش کہ امام حسین ہم بیاید چوں آمدند قلم را تراشیدہ بدست والد ماجد دادند در آں وقت حال نسبت و علم تقریر دگرگوں شد

چنانچہ مستفیضان سابق ہرگز احساس نسبت سابق نمی کردند۔"

"جب والد ماجد مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت امام حسن کو خواب میں دیکھا، حضرت نے (شاہ صاحب کے) سر پر ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا (ﷺ) کا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ٹھہریئے، امام حسین بھی تشریف لا رہے ہیں، جب وہ تشریف لائے تو انھوں نے قلم کو تراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا۔ اسی وقت سے نسبت باطن، علم اور تقریر کا رنگ اتنا بدل گیا کہ جن لوگوں نے (شاہ صاحب سے) پہلے استفاضہ کیا تھا وہ سابقہ نسبت کا احساس تک نہیں کرتے تھے"۔[۳]

## جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے

"پدر من وقت رخصت از مدینہ از استاد خود عرض کرد واو خوش شد کہ ہر چہ خواندہ بودم فراموش کردم الا علم دیں یعنی حدیث۔"

"میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت کے وقت اپنے استاد سے عرض کیا جس سے وہ خوش ہوئے کہ میں نے علم دین یعنی حدیث کے علاوہ جو کچھ پڑھا تھا اسے بھلا

## سند حدیث

"چہاردہ[۴] ماہ در حرمین بود و سند کردہ بعض جا استادی فرمود معنی ایں حدیث تو بفرما و در سند اجازت نوشتہ سند از من کرد اگر چہ بہ از من ست۔" ص ۹۳

"(والد ماجد) چودہ ماہ حرمین میں رہے اور سند حاصل کی بعض مقام پر استاد فرماتے تھے اس حدیث کے معنی تم بیان کرو۔ اور سند میں لکھا کہ انھوں نے مجھ سے سند حاصل کی ہے، اگر چہ یہ مجھ سے بہتر ہیں"۔

## تقسیم کار

"حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می

سپردند و خود مشغول معارف گوئی و نویسی می بودند و حدیث می خوانیدند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند مریض ہم کم می شدند عمر شریف شصت و یک سال چہار ماہ شد۔"

"حضرت والد ماجد نے ہر ایک فن کے لیے ایک شخص کو تیار کر دیا تھا اور ہر فن کے طالب علم کو اس کے (فاضل کے) سپرد کر دیتے تھے۔ اور حقائق و معارف بیان اور تحریر کرنے میں مشغول رہتے تھے اور حدیث کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ مراقبہ کے بعد جو کچھ کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بھی کم ہوتے تھے۔ آپ کی عمر اکسٹھ سال چار ماہ ہوئی"۔ (ص ۴۰)

## ضبط اوقات

"مثل والد ماجد شخصے کم بنظر آمد سوائے علوم و کمالات دیگر در ضبط اوقات، چنانچہ بعد اشراق کہ می نشست تا دو پہر زانو بدل نمی کرد و خارش نمی نمود و آب دہن نمی انداخت۔"
(ص ۴۳)

"دیگر علوم و کمالات کے علاوہ ضبط اوقات میں بھی والد ماجد کی طرح کم ہی کوئی آدمی نظر آیا۔ اشراق کے بعد جو بیٹھتے تھے تو پہلو بھی نہ بدلتے تھے۔ کھجاتے تھے، نہ تھوکتے تھے۔

## "مسیتا"

"بندہ را عورات "مسیتا"[۵] می گفتند وجہش آں کہ در شب بست و پنجم رمضان و قت سحر تولد شدہ بودم چوں والدین را کودک بسیار مردہ بودند مگر برائے من آرزو کمال بود دراں ہنگام بزرگان بسیار واولیاء بسیار راز یاراں والد ماجد مثل شاہ محمد عاشق و مولوی نور محمد وغیرہ معتکف مسجد ہذا می بودند پس مارا غسل دادہ در محراب انداختند گویا نذر خدا کردند پس بزرگاں مارا قبول کردہ از طرف خدا انعام کردند۔" (ص ۱۰۹)

"بندہ (شاہ عبدالعزیز) کو عورتیں "مسیتا" کہتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں

۲۵ رمضان کی شب میں سحر کے وقت پیدا ہوا ہوں، چوں کہ والدین کے بچے بچتے نہیں تھے اس لیے میری بڑی آرزو تھی۔ میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور خدا رسیدہ حضرات مثلاً شاہ محمد عاشق اور مولوی نور محمد وغیرہ اسی مسجد میں معتکف تھے (ولادت کے بعد) مجھے غسل دے کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا ان بزرگوں نے مجھے قبول کر کے خدا کی طرف سے انعام (میں واپس) عطا کیا"۔

## شفقت پدری

"والد ماجد بے بندہ طعام نمی خوردند"

"والد ماجد میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے"۔

## شاہ صاحب کی تقریر

"تقریر والد ماجد در درس وغیرہ وتقریر اکثر مرقص می شد"

"درس وغیرہ میں والد ماجد کی تحریر وتقریر اکثر رقص آور (لذت بخش ولطف انگیز) ہوتی تھی"۔

## نسبت چشتیت

"در ابتداء والد ماجد ہم ہموں غالب بود بعد ازاں انقلاب شد" (ص ۸۲)

"ابتدا میں (جد امجد کی طرح) والد ماجد پر بھی نسبت چشتیت کا غلبہ تھا، بعد میں انقلاب ہوا"۔

## شاہ صاحب اور شیعیت

"شخصے از والد ماجد مسئلہ تکفیر شیعی پرسید آں حضرت اختلاف حنفیہ دریں باب کہ است بیان کردند، چوں مکرر پرسید ہماں شنید شنیدم کہ می گفت کہ ایں شیعی ست۔"

"ایک شخص (متعصب سنی) نے والد ماجد سے شیعی کے کفر متعلق سوال کیا، آپ نے (اس کی مرضی کے خلاف) اس باب میں احناف کا اختلاف بیان فرمایا (یعنی کفر پر

اتفاق نہیں ہے) اس نے دوبارہ دریافت کیا اور یہی جواب پایا تو میں نے سنا ہے کہ کہنے لگا کہ یہ (خود) شیعی ہیں"۔

## شیعوں سے قرابت

"بعضے از اقربائے قریبہ ماشیعۂ غالی اند"۔ ص ۴۷

"ہمارے بعض قریبی اعزہ غالی شیعی ہیں"۔

## کرامت

"در وقت طفلی بیمار بودم حکیمے تداوی کرد صحتیاب شدم والد ماجد آں را حکم فرمودند کہ ماراچوں خوش ساختی بگو درحق تو دعائے کنم ہر چند خلاف وضع شریف بود لیکن فرمودند عرض کرد کہ نوکر شوم در ہموں ہنگام بلکہ شب صد روپیہ رامع سواری تعیناتی نوکر شد چوں آمدہ عرض کرد آں حضرت از زبانِ مبارک فرمود: ہمت شما قاصر بود کہ بر دنیا آں ہم حقیرا اکتفا کردید" (ص ۴۳-۴۴)

"میں لڑکپن میں بیمار تھا ایک حکیم صاحب نے علاج کیا میں صحت مند ہو گیا، والد ماجد نے اپنی وضع کے خلاف ان سے کہا، بتایئے میں آپ کے حق میں (کیا) دعا کروں؟ کہا: میں نوکر ہو جاؤں، اسی زمانے میں بلکہ اسی رات سو روپیہ تنخواہ (معہ سواری) پر نوکر ہو گئے، جب حکیم صاحب نے آ کر بتایا تو حضرت نے زبان مبارک سے فرمایا آپ کا حوصلہ ہی پست تھا کہ دنیا اور وہ بھی اس کے حقیر حصے پر اکتفا کی"۔

## طب

"حکمت ہم در خاندان ما معمول بود چنانچہ جد بزرگ وار وعم فقیر دوامی کردند والد ماجد و بندہ موقوف ساختہ"۔ (ص ۲۲)

"ہمارے خاندان میں طب کا بھی مشغلہ تھا چنانچہ جد بزرگ وار (شاہ عبدالرحیم) اور عم فقیر[۵] (شاہ اہل اللہ) مطب کرتے تھے، والد ماجد اور میں نے یہ سلسلہ موقوف کیا ہے"۔

''ہر چند کہ والد ماجد مابنا بر دوا وطبابت بحسب مصلحت دیگر منع فرمودہ بودند لیکن خوب چیز است گویا بان بخشی'' (ص ۴۳)

''اگرچہ والد ماجد نے کسی مصلحت سے علاج اور مطب کرنے سے روک دیا تھا لیکن (یہ طب) ہے خوب چیز گویا (بعض حالات میں تو) جاں بخشی ہے۔

## شاہ صاحب کی غزل[9]

مدار بخش نامی ایک قوال کی درخواست پر شاہ صاحب کی ایک غزل[8] عنایت فرمائی۔

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام
عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام
مبتلائے حیرتم جاں گویت یا جانِ جاں
اصطلاحِ شوق بسیار ست و من دیوانہ ام
میل ہر عنصر بود سوء مقر اصلیش
جذبہ اصل است سرشورش مستانہ ام
شوق موسیٰ در ظہور آورد نارِ طور را
در نہاد شمع آتش می زند پروانہ ام
اے امین ! برستیم نامِ تجدد تہمت است
در ازل پیش از زماں تعمیر شد میخانہ ام

ایک اور غزل:

گر بگلشن بگذری گل بررخت مفتوں شود
در نمائی قامت خود سرو را موزوں شود

کارِ بامعنی ست دانا را نہ با نام و نشاں
جذبۂ لیلیٰ ندارد بید اگر مجنوں شود!
مردِ مفلس را جہاں یکسر محلِ آفت ست
شیشہ گر خالیست گر بادش رسد واژوں شود

ایک رباعی:

در صحبتِ اہلِ دل رسیدیم بسے
بس دریوزہ کناں زمانے یک نفسے
از چشمۂ آبِ زندگانی قدحے
و ز آتش وادی مقدس قبسے

ایک قطعہ:

"در تعریف تشریف بردن والد ماجد خود بہ گفتن صاحب زادہ در حق شیخ آدم بنوری و ناراضی شاں"

"اپنے والد ماجد (شاہ ولی اللہ) کے کہیں تشریف لے جانے اور ایک لڑکے کے شیخ آدم بنوری کی شان میں گستاخی کرنے اور والد ماجد کی ناراضی (کا ذکر کر کے ان کا یہ قطعہ پڑھا)"

شخصے بخوردہ گیری ما عاجزاں فتاد
زاں رو کہ در طریقۂ مخدوم آدمیم
گفتم کہ حرف راست بگویم ز ما رنج
تو آدمی نبودی و ما آدمی شدیم

وصیت نامہ

"ارشاد شد کہ وصیت نامہ والد ماجد نقل کردہ بگیرند بسیار نافع است" (ص ۷۵)

''فرمایا: والد ماجد کا رسالہ وصیت نامہ نقل کر کے رکھیں بہت مفید ہے''۔

## مسلک فقہی

''دریں مقدمہ اختیار حضرت والا خوب است یعنی اگر یکے از مجتہداں بآں عمل کردہ باشد ترجیح حدیث است عمل کند والا ترک دہد چرا کہ خالی از سبب سکوت ہمہ ہا نیست و ایں چنیں شاید چہار حدیث خواہند بود۔'' (ص ۹۱)

''اس (تقلید کے) مسئلہ میں والد ماجد کا مسلک خوب ہے، اگر ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہو تو ترجیح حدیث کو دی جائے گی ورنہ حدیث کے بجائے قول مجتہد پر عمل کیا جائے گا اس لیے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا سکوت (اس حدیث پر عدم عمل) بے سبب نہیں ہو سکتا اور اس قسم کی شاید تعداد میں چار ہوں گی (جن پر کسی ایک امام کا بھی عمل نہ ہو)''۔

## ایک فتویٰ

''آں حضرت فرمود کہ از ابی داؤد حدیث نقل می کنند کہ آں حضرت جامۂ خون آلود حیضی زنے را برائے صفائی از نمک شستن فرمودہ بود چوں نمک ہم چیز محترم است و طعام ہم محترم پس درست شد کہ از آرد و غیرہ اگر چہ آردِ گندم باشد درست باید شست لیکن چیز ہائے دیگر سوائے طعام کہ دریں مادہ بکار می برند بہتر ست والا آرد ہم جائز باشد۔'' (ص ۹۰)

''(اس سوال پر کہ کھانے کے بعد آٹے سے ہاتھ دھونے کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا: ابوداؤد سے منقول ہے کہ آں حضرت (ﷺ) نے ایک عورت کے خون حیض سے آلودہ کپڑوں کو نمک سے دھو کر صاف کرنے کا حکم دیا تھا اور چوں کہ نمک بھی محترم ہے اور کھانا بھی اس لیے آٹے وغیرہ سے چاہے وہ گیہوں کا آٹا ہی کیوں نہ ہو ہاتھ دھونا درست ہے، لیکن کھانے کی چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے جو اس کام میں لائی بھی جاتی ہیں

ہاتھ دھونا بہتر ہے۔

## ایک جزیرہ

''شخصے از قبلہ گاہی عرض می کرد کہ در جزیرہ رفتہ بودم انجا سوائے نارجیل و ماہی از قسم طعام نمی شود مگر ایں کہ از ملک دیگر برند چناں چہ آں کس راہشادو دو طعام از ترکیب ہمیں دو پزیدن می دانم'' (ص ۱۱۸)

''ایک شخص نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ میں ایک جزیرہ میں گیا تھا، وہاں کھوپرے اور مچھلی کے علاوہ کھانے کی اور چیز دستیاب نہیں ہوتی الا یہ کہ کسی دوسرے مقام سے لے آئیں، چنانچہ اس شخص کو بیاسی قسم کے کھانے انہی دو چیزوں سے پکانا آتے تھے''۔

## چین میں بلی

''در ملک چین گربہ کم تر می باشد و موش ہا بسیار جری شخصے از والد ماجد نقل می کرد کہ ہم راہ من گربہ بود تا جائے کہ در چین می روند رفتم دیدم کہ گلولہ بازاں در وقت طعام راجہ برائے رفع موشاں می استادندمی گفتم جانورے در ہند بہ پانصد روپیہ می آید از آوازش موشاں می رمند چنانچہ فروختم از آوازش بالکل موشاں رمیدند۔'' (ص ۷۱)

''چین میں بلی بہت کم ہوتی ہے اور چوہے بڑے دلیر ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے والد سے بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک بلی تھی اور چین میں جہاں تک جاتے ہیں (جا سکتے ہیں) میں گیا، میں نے دیکھا راجہ کے کھانے کے وقت گلولہ باز چوہوں کو بھگانے کے لیے کھڑے رہتے ہیں۔ میں نے کہا ہندوستان میں ایک جانور پانچ سو روپیہ میں آتا ہے، اس کی آواز سے چوہے بھاگ جاتے ہیں، چنانچہ میں نے بلی وہاں بیچ دی اور اس کی آواز سے چوہے بھاگ گئے''۔

## عذابِ قبر

قصۂ عجیب است پیش حضرت والد ماجد بقسم غلیظ می گفت یعنی کشمیری بطرف ملک دکن رفتہ پیش راجہ در فرقۂ باورچیاں نوکر شد بعد مُردنش موافق دستورِ آں جا منجملۂ جماعہ خدام خاص ایں کس را ہم در سرداب نہادند، چہ می بیند وقت شب دو فرشتہ مہیب چنانچہ در حدیث آمدہ است آمدند از خوف آنہا بگوشہ رفتم معلوم نیست مارا چہ سوال وجواب شد آخرش اورا می زدند اعضایش ریزہ ریزہ شدند ماہم بے ہوش شدیم وبعضے مردند من کلمہ می خواندم وفرشتہا جانب من دیدند ومارا بعد از گفتن کہ چرا آمدہ بودی در کشمیر رسانیدند پارچہ از اعضایش کہ بہ بدن من ریزہ شدہ رسیدہ بود سوزش آں نمی رفت ہر چند معالجہ کردم بہ نمی شد در دہلی آمدم پیش بزرگاں واطباء رجوع کردم ہیچ فائدہ نہ شد مکرم عم شاہ ابوالرضا محمد درود فرمودند تاچنیکہ بردست تف زدہ برآں می مالم تسکین می نماید سخت تنگ ہستم۔" (ص ۶۸، ۶۹)

"حضرت والد کے سامنے سخت قسم کھا کر ایک عجیب وغریب قصہ بیان کیا ایک کشمیری ملک دکن کی طرف گیا اور راجہ کے یہاں باورچیوں میں ملازم ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد وہاں کے دستور کے مطابق دوسرے خاص خادموں کی نعش کے ساتھ سردخانے میں رکھا۔ کیا دیکھا کہ رات کے وقت دو فرشتے ڈراؤنی صورت جیسا کہ حدیث میں آیا ہے آئے۔ میں ان کے خوف سے ایک کونے میں چلا گیا۔ مجھے معلوم نہیں کیا سوال وجواب ہوئے۔ آخر کار اس کو مارتے تھے اس کے اعضاء ریزہ ریزہ ہو گئے۔ ہم بے ہوش ہو گئے اور بعض مر گئے۔ میں کلمہ پڑھتا تھا اور فرشتے میری جانب دیکھتے اور مجھ سے دریافت کرنے کے بعد کہ یہاں کیوں آیا کشمیر پہنچا دیا، اس کے اعضاء جو ریزہ ریزہ ہو گئے تھے، اس میں سے ایک ٹکڑا میرے جسم کو لگ گیا اس کی سوزش نہیں جاتی، بہت کچھ علاج ومعالجہ کیا لیکن فائدہ نہ ہوا، دہلی آیا ہوں بزرگوں اور طبیبوں کی طرف رجوع کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آپ کے چچا ابو رضا محمد نے فرمایا کہ اس طرح درود شریف پڑھ کر ہاتھ پر دم کرتا ہوں اور اس جگہ

ملتا ہوں اس سے تسکین ہوتی ہے۔ بہت زیادہ تنگ ہوں۔''

## حواشی

۱ مگر معلوم ہوتا ہے بعد میں فرصت نہیں ملی یا یاد نہیں رہا کیونکہ بعد میں بھی یہ اصل ملفوظ نہیں ملتا۔

۲ الجزء اللطیف ص ۱۹۳ مطبع احمدی دہلی

۳ انسان العین فی مشائخ الحرمین وانفاس العارفین) ص ۱۹۲۔'' ایں فقیر برائے وداع نزدیک شیخ ابوطاہر رفت ایں بیت برخواند

نسیت کل طریق کنت اعرفہ
الا طریقا یودینی الا ربعکم

بمجرد شنیدن آں بکا بر شیخ غالب آمد و بغایت متاثر شد۔ فیوض الحرمین (مطبع احمدی ص ۲۱) میں یہ واقعہ اس طرح ہے: ''میں ۱۰ صفر ۱۱۴۴ھ کی رات میں خواب میں دیکھا کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت حسن کے ہاتھ میں قلم ہے جس کی نوک ٹوٹ گئی ہے آپ نے مجھے بخشنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اور فرمایا یہ ہمارے نانا رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے۔ پھر فرمایا (ٹھہرو) تاکہ حسین اسے ٹھیک کردیں۔ یہ قلم ویسا نہیں جیسا حسین نے اسے بنایا تھا۔ پھر حسینؓ نے لے لیا اور مجھے عنایت فرمادیا جس سے میں خوش ہوا پھر ایک چادر جس پر ایک سفید دھاری تھی اور ایک سبز، ان دونوں کے سامنے لا کر رکھی گئی، حضرت حسین نے وہ چادر اٹھائی اور فرمایا یہ میرے نانا کی چادر ہے (ﷺ) اور مجھے اڑھا دی۔ میں نے اُسے اپنے سر پر رکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کیا پھر میں خواب سے بیدار ہوگیا۔)''

۴ سید ظہیر الدین احمد (تاویل الاحادیث ص ۸۷) کے بیان کے مطابق شاہ صاحب ۸ ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ کو روانہ ہوئے تھے اور ۹ رجب ۱۱۴۵ھ کو واپس ہوئے (الجزء اللطیف ص ۹۳) اس طرح کل ۲۸ ماہ سفر میں گزرے۔ ان میں سے ۷، ۷ ماہ آمد و رفت میں گزرے اور ۱۴ ماہ حرمین میں حاضری رہی۔

۵ مسجد کا عوامی تلفظ ''میت'' ہے، اسی کی نسبت سے ''میتا'' ہے یعنی مسجد والا، جسے مسجد کی نذر کیا گیا۔

۶ مثلاً میر قمرالدین منت جو شاہ صاحب کے قریبی عزیز اور شاگرد بھی تھے شاہ صاحب نے عجالۂ نافعہ انہی کے لیے لکھا تھا۔

۷ "درطب حدس ایشاں بعنایت سلیم ورسا بود" بوارق الولایت از شاہ ولی اللہ ص ۸۴

۸ شاہ اہل اللہ ف ۱۱۸۷ھ

۹ حیات ولی (ص ۵۰۶) میں اس غزل کے حسب ذیل دو اشعار کا اضافہ ہے۔

باجمال ذاتمش حسن دگر درکار شد
چشم او را سرمہ ام یا زلفِ او را شانہ ام
غافل از خود ماند از صورت چو پر شد آئینہ
تا ترا بشنا ختم جاناں زخود بیگانہ ام

۔۔۔مگر ملفوظات کا شعر نمبر ۴ حیات ولی میں نہیں ہے۔

۱۰ بید مجنوں پر شاہ عبدالعزیز نے بھی طبع آزمائی تھی۔

ز نازک طبع غیر از خودنمائی ہا نمی آید
درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد

ص ۴۴ مگر حیات ولی میں اس شعر کو شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف منسوب کیا ہے ص ۵۱۱

۱۱ وصیت نامہ المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیہ کے نام سے فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جو ہوگلی (بنگال) سے پہلی بار شائع ہوا تھا۔ ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری ایم اے نے یہ وصیت نامہ مترجم چند دوسرے وصیت ناموں کے ساتھ وصایائے اربعہ کے نام سے مرتب کیا ہے اور شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوا۔

# شاہ ولی اللہ کے فارسی اشعار

فراغت یافتم از حج و عمرہ
چو احرام سرِ کوئے تو بستم
چو دیدم روئے زیبائے تو جاناں
ز تشویشِ وجودِ خویش رستم
بیا ساقی بدہ جامِ شرابے
کہ مخمورِ صبوحی الستم

---مکتوبات مع مناقب امام بخاری ص ۱۳----

محبت نامِ جوشِ طبع و میلِ نفس گر باشد
سر اہل محبت در دو عالم گاؤ خر باشد
ز نازک طبع غیر از خودنمائی با نمی آید
درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد
بوسعت مشرباں رنگ تعلق در نمی گیرد
اگر نقشے زنی بر روے دریا بے اثر باشد[1]

---

[1] یہ شعر ہمعات میں بھی ہے، ترجمہ اُردو طبع لاہور ص ۱۸۸

صفائے طبع می خواہی زصحبت دامن اندرکش
کہ آبِ دور از مردم ہمیشہ بے کدر باشد

مکتوبات ص ۱۳

مزاج صاف طبعاں را بغربت در نمی سازد
مکدر گردد آب صاف چوں یکجا وطن گیرد

ص ۱۳

صفا باخبثِ باطن نیز گاہے جمع می گردد
بروبالوعہ را چوں درد بنشیند تماشا کن
ہرزہ گردی مانع نورِ دل ست اے ہوش مند
سیل تا ننشست یک جا باطنش صافی نشد
دوائے دردِ من! برجمعِ اضدادِ تو می نازم
نمک ریزِ دلِ مجروحِ من ہستی و مرہم ہم
جہان وجاں فدائے وضعِ شوخِ شہرآشوبت
قیامت می نمائی و دمِ عیسیٰ و مریم ہم
توئی اول توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن
توئی مقصودِ اہلِ دل توئی مشتاقِ ہمدم ہم
زیک منبع دریں جا مختلف فوارہ می جوشد
مزاجِ حرصِ قاروں زہدِ ابراہیم ادہم ہم
بخارے از زمیں خیزد بباد جُو در آمیزد
گہے بارانِ ریزان ست گاہے برف وشبنم ہم
کدامی طرفہ نیرنگی، دریں کاشانہ سر دادی
کہ عالم پائے کوب از دستِ عشقت گشت وآدم ہم

مکتوبات ص ۱۴

## رباعی

تا ظن نکنی مدرک خواہندہ دل ست
تا تو نہ تا زندہ و با زندہ دل ست
گویم بتو رمزے گر بفہمی آں را
ایں گوہرِ تابندہ بخود زندہ دل ست

-------------- مکتوبات ص ۱۴

ناگزیر تو منم اے دل پذیر!
رو مگرداں بعد ازیں از ناگزیر
من ترا مشفق ترم از صد پدر
در من آویز و مرا محکم بگیر
غیرِ من گر با تو بائستہ بود
آں وبال ست و عذاب ست و سعیر
جانِ من در ہجرِ یارِ خود بسوخت
من عذاب الہجر اجرنی یا مجیر!
بے قرارم روز و شب بے رُوے یار
باز بنما رُوے یارم یاقدیر!

---------

اندرونم بے جمالش تار شد
کے شود یارب بوصلش مستنیر
اے برادر بعد ازیں ہشیار باش
فرق می کن درمیان شیر و شیر

-------------- مکتوبات ص ۱۴

# غزل

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
ز چشمِ مستِ ساقی وام کردند

ز دریائے قِدم موجے برآمد
مرا در بحرِ امکاں نام کردند

ہویدا شد در امکاں صورتِ حق
بآں صورت جہاں را رام کردند

ہمیں بایست تفصیلے ازیں رُو
مکارم را بما اتمام کردند

شراب وحدت از خم خانۂ غیب
مرا صبح ازل در کام کردند

چو غلطیدم ز مستیہا بہر سو
حریفاں مستی از من وام کردند

حقیقت را کہ مستور از نظر بود
بما مشہورِ خاص و عام کردند

پس آں گہ موج دریا باز گردید
باتمام فنا اکرام کردند

امیں! رمزے دقیقے با تو گویم
بخود آغاز و نیز انجام کردند

---

مکتوبات ص ۱۶ ص ۱۷

دلے دارم زخود خالی حبابش می تواں گفتن
درو کیفیتے جوشِ شرابش می تواں گفتن
وجودِ بے نمودِ معنیِ ما دیدنی دارد
دریں نیرنگہا بوئے گلابش می تواں گفتن
سویدائے دل ما یابی اندر پیچ و تابِ او
نقوشِ عالمِ اُمّ الکتابش می تواں گفتن
فرو پاشید از ہم کثرتِ موہوم چوں شبنم
ز فیضِ معنیِ ما آفتابش می تواں گفتن

---------------مکتوبات ص ۳۲

بزلفِ پیچ درپیچ کسے گم کردہ ام خود را
خروشے در دلِ شبہا نمی کردم چہ می کردم
دل پردرد و جاں افگار و یارِ تندخو دارم
جہاں را پُر ز یاربہا نمی کردم چہ می کردم
غم تحصیل و بارِ شغل و دردِ عزل می بینم
جنون ترک منصبہا نمی کردم چہ می کردم
کسے با گل ہمی سازد کسے بابُلبل ہمی بازد
اگر من یادِ آں لبہا نمی کردم چہ می کردم
مۓ تحقیق را از خم مشربہا بروں دیدم
خروج از قیدِ مشربہا نمی کردم چہ می کردم
حجابِ وصلِ مطلوب ست دل بستن بمطلبہا
امیں! گر ترکِ مطلبہا نمی کردم چہ می کردم

-----------مکتوبات ص ۳۲

ساقی! کرے کز ہوش خود افتم
من بارِ خودم از دوشِ خود افتم
در من بنما خود را اے مہِ تاباں!
مفتوں شدہ بر خود مدہوشِ خود افتم
مثل مئے جوشاں کز خم بدر افتد
جوشے زدہ بر خود از ہوشِ خود افتم
از ہر بنِ مو جوشد مستی دیگر
از فرطِ تمائل از آغوشِ خود افتم
از تیز زبانی آزردہ دلم من
خوش آں کہ زمانے خاموشِ خود افتم

"ایں غزل از مزاحفات بحر بسیط است مستفعلن چہار بار و آں در فارسی کم یافتہ" منہ قدس سرہ" (مکتوبات ص ۳۲)

تا کے محنت و رنجوری دوری بکشم
تا زمینِ وطنم سوے وطن باز روم
تا کے با خس و خاشاک بود صحبت من
صدرِ بزمِ چمنم سوے چمن باز روم
تا کے ہمدمی سنگ شود شیوۂ من
گوہرے از عدنم سوے عدن باز روم
تا کے بستۂ زنجیر تعلق باشم
آہوئے از ختنم سوے ختن باز روم

بُوے جاں می رسد از یار بمن در دو جہاں
شاہِ ملکِ یمنم سُوے یمن باز روم
--------------مکتوبات ص ۳۲

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام
عاشقِ شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام
جتلاے حیرتم جاں گویمت یا جانِ جاں
اصطلاح شوق بسیار ست و من دیوانہ ام
میل ہر عنصر بود سوے مقر اصلیش
جذبۂ اصل است سر شورش مستانہ ام
شوق موسیٰ در ظہور آورد نارِ طور را
در نہادِ شمع آتش می زند پروانہ ام
با جمال[1] ذاتش حسن دگر درکار شد
چشمِ او را سرمہ ام یازلفِ او را شانہ ام
غافل[2] از خود ماند از صورت چوپُرشد آئینہ
تا ترا بشناختم جاناں ز خود بیگانہ ام
اے امیں ! بر مستیم نام تجدّد تہمت است
در ازل پیش از زماں تعمیر شد میخانہ ام
--------ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز ص ۱۰

در صحبت اہلِ دل رسیدیم بسے
لیس دروزہ کناں ز ما ہر کسے یک نفسے

---

۱ و ۲ یہ دونوں شعر "حیاتِ ولی" سے لیے گئے ہیں۔

از چشمۂ آبِ زندگانی قدحے
و ز آتشِ وادیِ مقدس قبسے

---------------ملفوظات ص ۱۰

(درتشریف بردن والد ماجد و بد گفتن صاحب زادۂ درحق شیخ آدم بنوری و ناراضی شاں)

شخصے بخوردہ گیریٔ ما عاجزاں فتاد
زاں رو کہ در طریقۂ مخدوم آدمیم
گفتم کہ حرف راست بگویم ز ما مرنج
تو آدمی نبودی و ما آدمی شدیم

(فقیر در بعض اوقات دو بیتے کہ گفتہ بود آں را تاثیرے دیدہ بودہ است)

## رباعیات

علمے کہ نہ ماخوذ مشکوٰۃِ نبی ست
واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست
جاے کہ بود جلوۂ حق حاکمِ وقت
مانع شدنِ حکمِ خرد بوالہبی ست

دانی کہ چہ بود نہجِ قدیم اے دلدار
شغلِ دلِ تو ظاہر و باطن با یار
ایں را شدی از درس عوارف عارف
واں فن دگر باز بگیر از احرار

در مذہب ما ہست ز اسباب غرور
ذکرے کہ بود عاطلِ از انوارِ ظہور

در حاشیہ نفی نہ شو از خلف نفور
در جانبِ اثبات برو سُوے غفور

---------

مستی و ولولہ شرطِ طریق افتاد است
بے مست شدن کارِ کسے نکشاد ست
در ذکرِ خفی جہر تخیل کردن
شرط ست و ز استاد طریقم یاد ست

---------

خواہی کہ مۓ حرفِ محبت نوشی
باید کہ بتقلیلِ علائق کوشی
دل را ز خیالاتِ جہاں صرف کنی
چشم از صُورِ جُملہ عالم پوشی

---------

درعشق تو از جملہ جہاں بگذشتم
و ز ہرچہ بجز یاد تو زاں بگذشتم
مقصودِ منِ بندہ بجز وصل تو نیست
اندر طلبت از دو جہاں بگذشتم

---------

دائم دلِ من پیشِ تو حاضر باشد
چشم برخِ خوبِ تو ناظر باشد
در مذہبِ ما شرکِ جلی ست و صریح
کز سُوے دگر خطرۂ خاطر باشد

دانی چه بود سہل کثیر البرکات
در مشربِ اہلِ دل وجود عدمات
تحصیلِ علوم ہست بسعی مانع
در نفیِ خواطر و در سدِ جہات

---

خوش آں کہ بانوارِ وضو رنگین ست
زیرا کہ طہارت ز اصولِ دین ست
تنویرِ دل و نفیِ خواطر خواہی
اقوی ذریعۂ حصولش این ست

---

تحصیل عدم اگر ندانی کردن
باید نظرِ اہلِ فنایت جستن
ایں داء عضال را دوائے بہ ازیں
در حکمتِ اہلِ دل نخواہی دیدن

---

آناں کہ ز اوناس یکی رستند
بالجۂ انوار قدم پیوستند
فیضِ قدم از ہمت ایشاں می جو
دروازۂ فیضِ قدس ایشاں ہستند

آں ذات کہ از قید جہت بیرون ست
از حیطۂ اسماء و صفت بیرون ست

در ہر مرتبہ زاں ذات نشانے دارد
ہر چند ز تعیینِ سمت بیرون ست

---

بر مدرکہ شد مظہر آں یار عجیب
ظاہر شدہ از صورتش آثار عجیب
در لوح دل ار ثبت کنی صورتِ او
پیدا شود از لوحِ دل اسرار عجیب

---

قومے بکتابت حرف موصوف
جمعے بتلاوت اسماء معروف
شخصے کہ ازیں قدم قدم بیش نہاد
گشت است بایں صورت ذہنی شغوف

---

اے دوست توئی دیدہ و بینائی من
شنوائی و دانائی و گویائی من
عشق تو و دلِ غم دیدۂ من
و اندر دلِ غم دیدہ شکیبائی من

القول الجلی ص ۳۶۴

---

ز دہلی برآمد ولی بہر حج
بہ ہشتم صباح از ربیع دوم

ہزار و صد و چہل و سہ سال بود
کہ ایں داعیہ گشت با فعل ضم

---

ولی چوں پس از حج بدہلی رسید
سرآمد سفر، منقطع گشت رنج
بتاریخِ رابع عشر از رجب
ز سالِ ہزار و صد و چہل و پنج

القول الجلی، ص۴۹

---

کہ باور دارد ایں حرف از فقیرِ خاکسارِ من
کہ ظلِ عالمِ قدس ست انکار و قبولِ او
نہ دارد باطنش از خویش آئینہ صفت زنگے
طلسم حیرت آموزست تمکین و فضولِ او
شعاعِ آفتاب از راہ ایں روزن ہمیں ریزد
بجز ایں نکتہ نتواں بست مضمونِ وصولِ او
حباب آسا ز خود خالی ز سطحِ بحر می جوشد
وجودِ او، نمودِ او، شہودِ او، حصولِ او

القول الجلی، ص۲۵۶

---

# تحریک ولی اللّٰہی

## کیا وہ کامیاب رہی؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبت کی عظمت و جلالت میں کلام و گفتگو کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن اگر علو مقام، قبول عام کو مستلزم نہیں ہے تو اس مسئلے میں اختلاف آراء کی گنجائش ضرور ہے کہ

''شاہ صاحب کی تحریک کامیاب بھی رہی یا نہیں؟''

اس موضوع پر ہمارا حاصل فکر و مطالعہ استفادۂ پیش خدمت ہے۔

ماضی میں افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کے اولین ذرائع بالعموم دو ہوتے تھے۔

اخلاف و تلامذہ

تصانیف و تالیف

مطلب یہ ہے کہ عہد ماضی میں کسی مفکر کے نظامِ فکر کی اشاعت اور ترویج کی صورت یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی تحریروں میں اپنے اندازِ فکر اور طرز تحقیق کا ابلاغ کرتا اور اپنے نتائج تحقیق پیش کرکے بساطِ حیات لپیٹ دیتا تھا۔ اس کے بعد اس کی تربیت کردہ جماعت (اخلاف و تلامذہ) آتی تھی، یہ لوگ اسی کے اندازِ فکر پر سوچتے، اسی کی زبان میں بات کرتے اور

اسی کی تحقیقات کو اپنی تحریروں میں نشر اتے تھے۔اس کے اجمال میں تفصیل کا رنگ بھر تے ،اس کے بعد ضعیف دلائل کو قوی کرتے ،اس کے دعاوی میں امثلہ و نظائر کی کمی ہوتی تو اسے دور کرتے ،اس کی کسی عبارت میں خلا ہوتا تو اسے پر کرتے ،اس کے غیر مرتب کو مرتب کرتے اور اس طرح بالآخر ایک فرد ایک ادارہ ،ایک شخص ایک جماعت اور ایک آواز ایک تحریک بن جاتی تھی۔

اور پھر اس تحریک کی کامیابی و ناکامی کے امکانات پیدا ہوتے تھے۔

## اخلاف و تلامذہ

شاہ صاحب کے براہِ راست اخلاف و تلامذہ کی حالت یہ ہے کہ ان سے کوئی بھی شاہ صاحب کا پورا پورا ہم نوا اور ہم زبان نہیں ہے۔شاہ عبدالعزیز نہ کلامی خلافیات میں ان کے ہم نوا ہیں نہ فقہی خلافیات میں،ان کے تحفۂ اثناء عشریہ کا رنگ ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین سے مختلف ہے۔شاہ ولی اللہ سیدنا علی کے انعقاد خلافت کے قائل نہیں ہیں۔شاہ عبدالعزیز اس کے قائل ہیں۔[1]

شاہ ولی اللہ احناف کے اصول فقہ کو صحیح نہیں سمجھتے ،شاہ عبدالعزیز نے اس کی پُر زور و مدلل تصویب و تائید کی ہے۔[2] شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی اور شاگرد شاہ اہل اللہ شاہ صاحب کے برعکس ''حنفی حنیف'' تھے ،انھوں نے فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا خلاصہ کیا ،دوسری کتاب کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ کر کے اسے رائج کرنا چاہا۔ملا معین تتوی [3] پر تشیع کا غلبہ تھا ،قمر الدین منت جو شاگرد بھی تھے اور عزیز بھی ،شیعی ہو گئے تھے۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے برملا شاہ صاحب سے اظہار اختلاف اور تغلیط کی ہے[4] شاہ محمد عاشق کی تمام تصانیف نادر الوجود ہیں۔اصل فن حدیث پر نہ شاہ محمد عاشق کی کوئی کتاب ہے نہ شاہ عبدالعزیز کی ۔حال آں کہ حدیث شاہ صاحب کا خاص فن تھا ،شاہ صاحب مؤطا کو رائج کرنا چاہتے تھے مگر ولی اللہی مدارس ہی میں رائج نہ ہو سکی۔

شاہ صاحب کا ایک خاص انداز فکر اور مخصوص طرز بیان تھا۔انھوں نے چند نئی اصطلاحات وضع کر کے اپنی تالیفات میں استعمال کی تھیں۔چند نئے نظریات پیش کیے گئے مگر شاہ صاحب کے اخلاف اور تلامذہ نہ ان کے انداز پر سوچتے ہیں نہ ان کی زبان میں بات کرتے ہیں نہ

ان کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ولی اللہی مکتبِ فکر سے اپنی وابستگی، دل چسپی، اتحاد و اتفاق کا کوئی نمونہ پیش نہیں کرتے۔

ہم نے اب تک گفتگو مدرسۂ رحیمیہ تک محدود رکھی ہے کیونکہ شاہ صاحب کے افکار ونظریات کی ترویج واشاعت کی اولین ذمے داری اسی حلقے پر عائد ہوتی ہے۔ مگر جب یہی حلقہ خاموش اور کٹا کٹا سا نظر آئے تو بیرون حلقہ ان کی ترویج واشاعت کی توقع بے جا ہی ٹھہرے گی مگر پھر بھی ہم اس حلقے سے باہر معاصرین ومتاخرین کے حلقوں کا جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان حلقوں نے شاہ صاحب سے خصوصی اعتنا کا معاملہ نہیں کیا۔

غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۷۸۶ء) نے معاصر ہونے کے باوجود شاہ صاحب کا تذکرہ مآثر الکرام میں نہیں کیا، کئی قریب العہد تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحب کا تعارف شاہ عبدالعزیز کے واسطے سے کرایا ہے، سعادت یار خاں رنگین۔ ۵

''شاہ عبدالعزیز کے والد''

مرزا[۶] علی لطف:-

''والد ماجد ہیں یہ اس رونق بخش کشور قناعت کے جس کا نام نامی مولوی عبدالعزیز ہے۔''

تذکرہ نگاروں کو چھوڑ کر علماء کی محفل میں چلیے۔ علماء جب کسی شخصیت سے متاثر ہوتے ہیں تو اس کی کتابوں کی شرحیں لکھتے ہیں، اس پر حواشی تحریر کرتے ہیں، اس کی کتابوں کی احادیث وروایات کی تخریج کرتے ہیں یا اپنی کتابوں میں اس عالم کے نظریات سے کوئی معاملہ ابطال یا اثبات کا کرتے ہیں۔ اختلاف کی لے بڑھ جائے تو بات تکفیر وتفسیق وتضلیل تک جا پہنچتی ہے۔ قبول واتفاق کی صورت میں اس کے اقوال سے استناد واستدلال کرتے ہیں، اس کی کتابوں کو داخل نصاب درس کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کے ساتھ اعتنا کی ان اشکال میں سے کوئی بھی شکل اختیار نہیں کی گئی، شاہ صاحب کی تالیفات کی طرف جب ان کے حلقے کے علما نے توجہ نہیں کی تو بدیگراں چہ رسد۔ دیوبند جیسے ولی اللہی مدرسے میں شاہ کی کوئی کتاب داخل نہیں کی گئی تو دوسرے مدارس کا کیا تذکرہ؟

دیو بند میں شاہ صاحب کے متعلق کیا رائے تھی اس کا اندازہ مولانا سندھی کے اس قول سے کیجیے کہ ان کے دورِ تعلم میں یہ حالت تھی کہ مولانا محمود حسن کو جب شاہ ولی اللہ یا شاہ عبدالعزیز کی رائے کسی مسئلے میں بیان کرنی ہوتی تو وہ ان حضرات کا نام لینے کے بجائے فرماتے کہ محققین کی اس مسئلے میں یہ رائے ہے کیوں کہ

''حضرت جانتے تھے کہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لیے طلبہ تیار نہیں ہوں گے۔''[۸]

## تصانیف و تالیف

شاہ صاحب کی تالیفات کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ان میں سے (۱) ایک تعداد طبع ہو چکی ہے (۲) ایک تعداد غیر مطبوعہ کتابوں کی ہے جو مخطوطات کی شکل میں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں (۳) ایک اور تعداد ان کتابوں کی ہے جس کے صرف ناموں سے دنیا آشنا ہے، ان کے مخطوطات کا کوئی سراغ کم سے کم راقم الحروف کو نہ مل سکا۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تالیفات ابتداہی سے کم یاب ہیں۔ فتح الخبیر، حجۃ اللہ البالغہ، البدور البازغہ، ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین جب پہلی بار شائع ہوئیں تو ان کے ناشرین کو ان کے علی الترتیب ایک، چار، تین، تین اور ایک مخطوطے دست یاب ہوئے تھے۔ کم یابی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کم یابی سن ستاون کے ہنگامے سے قبل ہی شروع ہو گئی تھی۔ مذکورہ بالا کتابوں میں سے پہلی کتاب ۱۸۳۴ء میں ہوگلی سے شائع ہوئی تھی اور ناشر کو صرف ایک نسخہ ملا تھا جب کہ ناشر اسی حلقے سے وابستہ تھا گویا ہنگامۂ رستاخیز سے ۲۳ سال قبل اور شاہ صاحب کی وفات کے ستر سال کے اندر اندر ان کی کتابوں کا قحط شروع ہو گیا تھا۔ زیادہ حیرت اس پر ہے کہ یہ قحط شاہ صاحب کے خاندان اور اصحاب سلسلہ ہی میں تھا۔ مولوی سیّد احمد ولی اللہی[۹] جو شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے انھوں نے مولوی سیّد عبدالحی (صاحب نزہتہ الخواطر) سے ہمعات بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ مولوی سیّد احمد کے خواہرزادے مولوی سیّد عبدالغنی نے جو خود کو

نواسہ و جانشین حضرت شاہ صاحب لکھتے تھے، جب تفہیمات الٰہیہ شائع کی تو اس کے آخر میں یہ اپیل بھی شائع کی تھی کہ جن حضرات کے پاس اس خاندان کے اکابر کے رسائل ہوں وہ ہمیں عاریتاً فراہم کریں کہ ہم انھیں طبع کرا سکیں۔

اب شاہ صاحب کے رسائل و کتب کی طباعت واشاعت کا جائزہ لیجئے۔ ازالۃ الخفا پہلی بار ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء میں بریلی سے شائع ہوئی تھی۔ ازالۃ الخفا کی وہ اشاعت پہلی بھی تھی اور آخری بھی، اصل فارسی متن آج تک صرف ایک بار شائع ہوا ہے۔ اس واحد اشاعت کی تعداد بھی صرف دو سو تھی۔

البدور البازغہ صرف ایک بار، تفہیمات الٰہیہ کامل صرف ایک بار، مصفّٰی صرف دو بار، مسوّیٰ صرف تین بار۔ یہ صرف طباعت کا ذکر تھا، اشاعت و فروخت کا حال یہ ہے کہ مسوّیٰ (طبع حجاز ۱۹۳۳ء) کا اشتہار آج تک ''الولی'' (حیدرآباد سندھ) میں شائع ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ۳۵/۴۰ سال گزرنے کے باوجود ان کتابوں کے نسخے ابھی تک ختم نہیں ہوئے۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحب کے رسائل و کتب میں سے کچھ تو بالکل ناپید و نایاب ہیں، کچھ کے مخطوطات کہیں کہیں سننے میں آتے ہیں باقی جو طبع ہوئے ان کی اشاعت عام نہیں ہو سکی۔

حاصل یہ نہ شاہ صاحب کے مخصوص افکار و نظریات کی ترویج واشاعت نہ ان کے اخلاف و تلامذہ کے ذریعے ہو سکی نہ ان کی کتابوں کے ذریعے۔

یہاں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور شاہ صاحب قبول عام خواص کیوں حاصل نہ کر سکے؟ ہماری ناقص رائے میں ان کے مسلک اور مشن کے عدم قبول و رواج و نفوذ کے اسباب تین قسم کے ہیں، وہ اسباب

☆ جن کا تعلق بخت و اتفاق سے ہے

☆ جن کا تعلق شاہ صاحب سے ہے

☆ جن کا تعلق ہم سے ہے

آیئے، بترتیب ان اسباب کا جائزہ لیں۔

شاہ صاحب کے پانچ صاحب زادے تھے۔ان میں سے سب سے بڑے شاہ محمد تھے۔شاہ محمد اگرچہ فاضل تھے اور بقول صاحب نزہتہ الخواطر محدث تھے مگر ان کی علمی سرگرمیوں اور افادۂ تدریس کا کوئی سراغ نہیں ملتا،پھر ان پر جذب غالب تھا،اس لیے وہ خارج از بحث ہیں۔باقی چار صاحب زادوں میں سے سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز تھے،جن کی عمر شاہ صاحب کی وفات کے وقت صرف ۱۶ [۱۱] سال تھی اور اگرچہ انھوں نے شاہ صاحب سے بھی تحصیل علوم کی تھی مگر تکمیل وفراغ کی منزل والد کی وفات کے بعد شاہ محمد عاشق،شیخ نور اللہ اور خواجہ محمد امین کی رہنمائی میں طے کی تھی۔پھر اگرچہ وہ ذکاوت وذہانت کی وافر مقدار سے بہرہ ور تھے مگر بہر حال عمر کی اس منزل پر نہیں پہنچے تھے جہاں باپ اپنے بیٹے کو اپنے اسرار وعلوم منتقل کرتا ہے اور اپنے نظریات کو اس کے قلب میں راسخ اور دماغ میں مستحکم کرتا ہے۔عمر کی ناپختگی کے علاوہ طالب العلمی کا عہد بھی ان کاموں کے لیے ناموزوں اور ناسازگار ہوتا ہے،فراغ کے بعد جب طالب علم کو قطع کی ہوئی منزلوں کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور حاصل کئے ہوئے ذخیرے کے جائزے کی مہلت ملتی ہے اور تدریس یا تالیف کی ضرورتوں کے پیشِ نظر معلومات کی ترتیب،مختلفات میں تطبیق،اپنے مسلک کی تعیین اور غیر نصابی کتب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے تو درحقیقت وہ منزل آتی ہے جسے قدیم درس گاہی زبان میں "حقیقی طلب علم" کی منزل کہا جاتا تھا۔مختصر یہ کہ شاہ عبدالعزیز کو نوعمری،والد کی مسلسل بیماری،طلب علم میں مصروفیت کی بنا پر اپنے والد کے مزاج سے تعارف اور ان کے منفردانہ افکار کے جذب وہضم کا موقع نہیں ملا تھا۔دوسرے تین بھائیوں کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ علی الترتیب ۱۲۔۸ اور ۴ برس کے تھے۔حاصل یہ کہ شاہ صاحب کو اس کا موقع نہیں ملا کہ وہ اپنے صاحب زادوں کو اپنے انداز فکر کی تربیت دے سکتے۔

اب تلامذہ کو لیجئے۔اولاً تو شاہ صاحب کے تلامذہ کی تعداد پہلے ہی بہت مختصر ہے اور اس کمی کی وجہ شاہ عبدالعزیز کے بیان [۱۲] کے مطابق یہ تھی کہ جب اپنے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرلی جو مختلف فنون کے ماہر تھے تو مدرسہ ان کے سپرد کر کے خود فکر وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے

لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔ اسی بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ یہ محدود تعداد ان سے اس عہد میں مستفید ہوئی تھی جب ان کے افکار میں مجتہدانہ رنگ، انقلابیت، انفرادیت اور پختگی نہیں آئی تھی۔ گویا یہ تلامذہ میاں ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم کے تلامذہ تھے جو اپنے دور کے ایک ممتاز محنت کش، ذہین و مستعد عالم تھے۔ مفکر اسلام، مجدد ماۃ اور مسوّیٰ، مصفّیٰ، حجۃ اور ازالہ کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تلامذہ نہیں تھے۔

ثانیاً جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں چند تلامذہ شاہ صاحب کے مسلک سے منحرف تھے، شاہ اہل اللہ ''حنفی حنیف'' تھے، مخدوم معین تتوی تشیع کی طرف میلان رکھتے تھے قمرالدین منت نے مسلک تشیع اختیار کر ہی لیا تھا۔

ثالثاً شاہ صاحب کی وفات کے صرف دس سال کے بعد حلقۂ ولی اللہی کو ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے حلقے کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ ہوا یہ کہ ایک ہی سال ۱۱۸۷ھ میں حلقہ کے ایک دو نہیں پانچ اراکین و اساطین ''باجماعت'' رحلت کر گئے۔

(۱) شاہ اہل اللہ برادر خورد اور شاگرد۔

(۲) شیخ نور اللہ پھلتی، رفیق درس، ماموں اور خسر

(۳) شاہ محمد عاشق، رفیق درس، شاگرد، دوست، ممیرے بھائی، نسبتی بھائی اور خلیفہ۔

(۵) حاجی محمد سعید بریلوی، شاگرد۔

یہ تھے وہ حالات جن کا تعلق بخت و اتفاق سے تھا اور جن کی بنا پر مسلک شاہی کے متبعین و مؤیدین کا دائرہ وسیع نہ ہو سکا۔

فکر ولی اللہی کے عدم قبول کا وہ سبب بھی بہت اہم ہے جس کا تعلق خود شاہ صاحب سے ہے۔ اور اسی سبب کا تعلق ہم مخاطبین و قارئین سے بھی ہے۔ شاہ صاحب دراصل غیر معمولی انسان تھے، دل کے لحاظ سے بھی اور دماغ کے لحاظ سے بھی۔

ان کا تفکر محققانہ، پسندانہ اور ابلاغ دیانت دارانہ تھا۔ وہ کسی بھی مسئلے پر خواہ اس کا تعلق فقہ سے ہو یا عقائد و کلام سے، تفسیر سے ہو یا تصوف سے، پہلے سے کوئی رائے قائم کر کے غور نہیں کیا

کرتے تھے، پھر ان کے نتائج فکر جو کچھ ہوتے تھے ان کو جوں کا توں نذرِ قرطاس و سپردِ قلم کر دیا کرتے تھے۔

ان کا اندازِ فکر غیر جانب دارانہ اور ''غیر فرقہ وارانہ'' تھا۔ وہ خاندانی طور پر فقہ، کلام اور تصوف کے مکاتبِ فکر میں سے ایک مکتبِ فکر سے وابستہ تھے، لیکن فکر و تحقیق کے مرحلے میں وہ ہر مسئلے اور ہر جزیئے اپنے مکتبِ فکر کی ہم نوائی اور تائید و انتصار کے پابند ہو کر نہیں رہتے تھے۔

ان کا اندازِ فکر ''غیر مقلدانہ'' اور مجتہدانہ بھی تھا۔ وہ صرف نقل و اقوال اور جمع و ترتیب پر اکتفا کے قائل نہیں کرتے تھے وہ اپنے دماغ کو بھی زحمتِ تفکر دیتے رہنے کے عادی تھے۔

تاریخ اسلام کے عمیق مطالعے، عالمِ اسلام کے عہد حال پر وسعتِ نظر، اسباب زوال امت کے مفصل جائزے، کثرت مطالعہ، وسعتِ نگاہ، صوفیانہ اور دردمندانہ افتادِ مزاج کی وجہ سے وہ خلافیات میں رفع نزاع اور دفع تعارض کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ اسباب اختلاف کا سراغ لگا کر وجوہ اشتراک معلوم کر لینے کی فکر میں رہتے تھے۔ تطبیق و توافق ان کا محبوب مشغلہ تھا، ارباب تسنن اور اصحاب تشیع کے مختلفات ہوں یا فقہا اربعہ کے تعارضات یا صوفیا کے باہم متناقص نقطہ ہائے نظر، وہ جہاں تک امکان ہوتا ان میں تطبیق کی کوشش کرتے تھے اور متحاربین کو راہِ اعتدال دکھاتے تھے۔

ادھر تو شاہ صاحب اور ان کے تفکر کی یہ شان! اور ادھر ہمارا یہ حال کہ ہم عہد زوال کی تمام خصوصیات سے بہرہ ور، ہم نے دین و سیاست ہو یا علم و ادب زندگی کے ہر شعبے میں شطرنج کے سے کچھ خانے بنائے ہیں جو خطوط سے محدود ہیں۔ اب ہر شخص پر ہمارے زعم میں واجب ہے کہ وہ فقہی کلامی، تاریخی، ادبی، سیاسی مکاتب میں سے کسی ایک مکتب سے کلیتہً اتفاق کرے یا کلیتہً اختلاف اور فرض ہے کہ وہ ان خانوں میں سے کسی ایک خانے کے وسط میں خطوط و حدود سے دامن بچا کر کھڑا ہو۔ اب اگر کوئی غریب اپنے دماغ سے سوچنے کا خوگر ہے، مسائل میں اس کی اپنی بھی رائے ہوتی ہے اور وہ تحقیق کے بغیر کوئی قول تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور کسی ایک ہی گروہ سے عمومی اور دوامی وابستگی کو واجب اور فرض نہیں سمجھتا اور وہ ان خانوں کی ''جغرافیائی حدود'' کا شدت سے پابند

نہیں ہے اور کسی معاملے میں "خط کے اس پار" والوں سے بھی متفق ہوسکتا ہے تو وہ ان دونوں خانوں والوں کی نظر میں اجنبی ٹھہرتا ہے اور "مشکوک" قرار پاتا ہے کہ ہر مسئلے میں جماعت سے متفق کیوں نہیں ہے؟ حلقے کا صدفی صد وفادار کیوں نہیں ہے؟ دوسری جماعت اور حلقے کو شر محض کیوں نہیں سمجھتا؟ "اغیار" کی آراء کے ساتھ ان کی نیات کو محل کلام کیوں نہیں سمجھتا؟ افکار کے ساتھ ساتھ کردار پر بھی نکتہ چینی اس کے نزدیک ناروا کیوں ہے؟ جزئیات میں اختلاف کو اہمیت کیوں نہیں دیتا؟ وجوہِ اشتراک کی تلاش میں کیوں سرگرداں رہتا ہے؟

آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ شاہ صاحب جیسا اعتدال پسند "تطبیق کوش" اور "خود فکر" عالم ہم جیسے "خانہ نشینوں" اور انتہا پسندوں میں کس طرح قبول حاصل کرسکتا تھا اور اس کی تحریک ہمارے معاشرے میں کس طرح رسوخ و رواج پاسکتی تھی؟

اہل سنت ان سے ناخوش ہیں کہ وہ امامیین کی بے محابا[۱] تکفیر نہیں کرتے تھے اور تفضیل شیخین کے بجائے تفضیل علی علی الشیخین کی طرف میلان بتاتے تھے مگر امامیین نے ان سے طرفہ معاملہ کیا، سودا نے ان کا قصیدہ ہجویہ لکھا، صاحب گلشن ہند نے ان پر "ابطال شہادۃ حسنین" کی تہمت تراشی۔

شاہ صاحب نے وحدت وجود وحدتِ شہود میں تطبیق فرمائی تو وجودی خوش ہوئے نہ شہودی، مرزا مظہر جان جاناں نے خود بھی ناپسندیدگی ظاہر فرمائی اور "کلمۃ الحق" بھی لکھوایا۔

فقہی مسائل میں اعتدال و توسط اختیار کرنے کے جرم میں احناف نے ان سے برأت کی ضرورت محسوس کی۔ مگر اہل حدیث نے ان کے افکار میں خامی محسوس کر کے خود رسائل تصنیف کئے اور ان کے نام سے منسوب کردیئے اپنی باتیں ان کی زبان سے کہلوائیں اور احناف سے ان کو مزید بدظن اور دور تر کردیا۔

## حواشی

(۱) شاہ اسماعیل نے بھی "منصب امامت" میں انعقاد خلافت سیدنا علیؓ کو محکم و مدلل کیا ہے۔

(۲) "رسالہ اصول فقہ حنفی" و "رسالہ ماخذ ائمہ اربعہ" (مشمولہ فتاویٰ عزیزی جلد اول)

(۳) مقدمہ دراسات اللبیب از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کراچی۔

(۴) وصایاءِ اربعہ مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری، صفحہ ۸۵

(۵) وصایاءِ اربعہ صفحہ ۱۰۷

(۶) گلشن ہند، انجمن ترقی اُردو ہند سیدر آباد دکن ۱۹۰۱ء

(۷) اب چند سال سے الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ شامل نصاب کی گئی ہیں۔

(۸) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ صفحہ ۶۱

(۹) دہلی اور اس کے اطراف صفحہ ۶۸

(۱۰) ازالۃ الخفا کے اردو ترجموں کی داستان یہ ہے کہ مکمل اردو ترجمہ پہلی بار کراچی ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا پھر کراچی ہی سے دوبارہ یہی ترجمہ ۱۹۶۰ء میں چھپا۔ نامکمل ترجمہ ایک لکھنؤ سے دوسرا لاہور سے (۱۹۰۶ء میں)، تیسرا دہلی سے شائع ہوا۔

(۱۱) یہ بھی یاد رکھیے کہ شاہ ولی اللہ وفات سے پہلے امراض و عوارض میں مبتلا اور پھلت میں مقیم رہے اور قبل وفات پھلت سے دہلی لائے گئے تھے۔

(۱۲) ملفوظات عزیزی صفحہ ۴۰

(۱۳) شاہ عبدالعزیز نے بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص نے شاہ صاحب سے شیعوں کے کفر و ایمان کے متعلق دریافت کیا۔ شاہ صاحب نے (سائل کے حسب منشا شیعوں کو کافر کہنے کے بجائے) اس مسئلے میں فقہا کا اختلاف بیان کرنا شروع کیا تو سائل غضبناک ہو کر یہ کہتا ہوا اٹھ کر چلا گیا کہ "مجھے تو یہ خود شیعہ معلوم ہوتا ہے" ملفوظات عزیزی صفحہ ۳۲ طبع میرٹھ ۱۳۱۴ھ

# شاہ ولی اللہ کا مدرسۂ رحیمیہ

شاہ عبدالرحیم (ف ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء) کا مدرسہ کوئی عام اور معمولی درسگاہ نہیں تھا۔ مختلف اعتبارات سے اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے صدر نشینوں، معلمین، مستندین کی عظمت مقام نے مسلسل ڈیڑھ سو سال تک اس درس گاہ کو برصغیر کی ایک ممتاز ترین درس گاہ بنائے رکھا اور جب تسلسل حوادث اس چراغ کو بجھا دینے میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف برصغیر کے گوشے گوشے بلکہ بیرون بر بھی بہت سے مقامات پر اس چراغ سے روشنی حاصل کرنے والے چراغ روشن و فروزاں ہو چکے تھے اور بحمد للہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ صرصر انقلاب نے اس مرکزی درس گاہ کی خدمات کا سلسلہ اگرچہ منقطع کر دیا، مگر ملک و بیرون ملک اس کی صدہا شاخیں آج تک قائم و باقی اور سرگرم خدمت ہیں۔

یہ مدرسہ صرف ایک درس گاہ نہیں تھا، بلکہ برصغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی ادارہ تھا۔ اسے ایک خانقاہ کی حیثیت بھی حاصل تھی، یہاں کردار بنائے جاتے تھے، یہاں انسان ڈھالے جاتے تھے اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی۔ اسے ایک اکادمی کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس کے سربراہوں اور اساطین کے قلم اور ذہن تحقیق و تدقیق کے میدان میں بھی گرم رفتار رہے، اس کی سیاسی خدمات کا باب بھی دوسرے ابواب سے کم اہم نہیں ہے۔ یہاں وقت کے مغل فرماں رواؤں نے نیاز مندانہ اور عاجزانہ حاضری دی ہے، پانی پت کا تاریخی معرکہ کارزار اسی مدرسہ کے ایک رکن رکین کا برپا کیا ہوا تھا۔ سرحد و پنجاب کے میدانوں میں رنجیت سنگھ کی فوجوں سے جن

سرفروشوں کی محاذ آرائی ہوئی وہ اسی مدرسے، اسی خانقاہ سے درس جہاد لے کر نکلے تھے۔ جزائر انڈمان کی قبروں میں اسی دبستانِ فکر و عمل کے مستفیدین و متعلمین محوِ خواب راحت ہیں، رحم اللہ علیہم۔

اسی مدرسے، خانقاہ، اکادمی اور مرکز ملی و دینی و سیاسی کی تاریخ پیش خدمت ہے۔

اس مدرسہ کو اب عموماً مدرسۂ رحیمیہ لکھا اور کہا جانے لگا ہے۔ یہ نام ابتداً مولوی سید احمد ولی اللٰہی[1] نے اپنی ایک تحریر میں استعمال کیا تھا۔ ان کی تقلید میں مولوی رحیم بخش نے پھر مولوی بشیر الدین دہلوی نے استعمال کیا اور غلط نہیں کیا مگر واقعہ یہی ہے کہ مولوی سید احمد نے پہلے پہل اس مدرسہ کو مدرسۂ رحیمیہ کے نام سے یاد کیا تھا۔ شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، ان کے فرزندانِ گرامی، تلامذہ و خلفا میں سے کسی کی تحریر میں یہ نام[2] ہماری نظر سے نہیں گزرا، اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس مدرسے کو یہ نام اس کے ختم ہونے کے بعد دیا گیا ہے۔

بہرحال اس مدرسے کے بانی شاہ عبدالرحیم تھے، مدرسے کے آغاز کے صحیح عہد کا تعین مشکل ہے۔ اندازہ ہے کہ ۱۱۰۱ھ ہجری/سترھویں عیسوی کے ربع آخر میں انھوں نے یہ مدرسہ قائم کیا ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ عبدالرحیم کی حیات میں مدرسہ نام صرف ان کی درس گاہ کا ہوگا۔ ہم شاہ عبدالرحیم کے علاوہ اس دور کے کسی معلم سے لاعلم ہیں۔ اس دور کے طلبہ کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ اس دور کے سب سے نمایاں طالب العلم تو شاہ ولی اللہ ہی ہیں، دوسرا نام شیخ بدرالحق پھلتی کا ہے جن کو والد کی وفات کے بعد ۱۱۴۲ھ میں شاہ ولی اللہ ہی نے سند عطا کی تھی۔[3]

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں:[4]

"مدرسۂ شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالرحیم نے اپنے مکان مہندیوں میں عہد عالم گیر میں قائم کیا تھا۔"

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:[5]

"شیخ (عبدالرحیم) صاحب نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسۂ رحیمیہ رکھا۔"

مدرسے کا اصل اور روشن دور شاہ ولی اللہ کا دور ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں تدریس کا آغاز کر دیا تھا۔ والد کی وفات کے بعد زیادہ احساس ذمہ داری اور زیادہ انہماک کے ساتھ تدریس میں مشغول ہو گئے۔

فرماتے ہیں: [۶]

''بعد از وفات ایشاں دوازدہ سال کم وبیش بدرس کتب دینیہ وعقلیہ مواظبت نمود۔''

یعنی والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۲ سال دینیات ومعقولات کی کتابوں کے درس کا شغل رہا۔

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں۔ [۷]

(شاہ صاحب) ''پورے بارہ سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔''

مولوی سید احمد لکھتے ہیں: [۸]

''بعدہٗ آپ اپنے والد بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبانِ ہدایت کو سیدھے رستے لگانا شروع کیا۔ کتب دینیہ وعقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جوق در جوق لوگ آنے شروع ہوئے۔ سینکڑوں طالب علم مستفیض ہونے لگے۔''

شاہ ولی اللہ نے مسند درس پر متمکن ہونے کے بعد نصاب تعلیم میں بھی ترمیم کی اور درس قرآن کریم کو جزو نصاب قرار دیا اور شاہ محمد عاشق کو ترجمۂ قرآن پڑھانا شروع کیا۔ بعد میں اس ترجمۂ قرآن کو قلم بند کرنے کا خیال ہوا اور ایک حصہ سفر حج سے پہلے اور باقی حصہ سفر حج کے بعد ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوا اور ۱۱۵۶ھ میں خواجہ محمد امین نے اس ترجمہ کو رواج دیا۔[۹] رواج سے مراد ہمارے خیال میں نصاب تعلیم کا لازمی جز بنا لینا ہے۔

اس دور کے کسی دوسرے معلم مدرسہ کا نام ہمارے علم میں نہیں ہے لیکن مورخین نے طلبہ کی جس کثرت کا ذکر کیا ہے اس کے پیشِ نظر ہمارے خیال میں شاہ صاحب کے دو ایک معاون ضرور ہوں گے۔

اس دور کے تلامذہ میں شاہ محمد عاشق، شاہ نوراللہ پھلتی، شاہ اہل اللہ، خواجہ محمد امین کشمیری کے نام محفوظ ہیں۔

۱۲ سال تک اس طرح دادِ تدریس دینے کے بعد شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۱ء میں حج کو تشریف لے گئے اور دو سال تین ماہ بعد واپس تشریف لائے اور مہندیوں کے مدرسے میں قال اللہ وقال الرسول کی محفل پھر گرم ہوگئی۔ اس سفر میں حج وزیارت کے ساتھ آپؒ نے محدثین عہد سے بھرپور استفادہ کیا۔ فکر ونظر کی نئی راہیں وا ہوئیں اور کتب ومصنفین کے ایک نئے حلقے سے تعارف ہوا۔ آپ کے چند منتہی تلامذہ شاہ محمد عاشق، اخون محمد سعید وغیرہ بھی آپ کے نہ صرف شریکِ سفرِ حج تھے بلکہ شیوخ حجاز سے استفادہ وتلمذ میں بھی رفیق تھے۔ اس ''سروساماں'' کے ساتھ مراجعت وطن کے بعد آپ نے مدرسے کے جس نئے دور کا آغاز کیا اس کا تذکرہ مولوی سید احمد کی زبانی سنیے:

> (آپ) ''دلی میں واپس تشریف لائے اور اپنے قدیمی مکان میں اقامت کی، مدرسہ رحیمیہ کو جس کی بنیاد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب ڈال گئے تھے، رونق دی۔ حدیث وتفسیر کا درس دینا شروع کیا تو گویا شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے بعد اس زمانے میں آپؒ نے حدیث شریف کو فروغ بخشا، اطراف ہند میں آپ کی حدیث دانی کی شہرت ہوئی۔ طالب علموں کے پرے کے پرے آنے شروع ہوئے۔ پرانی دلّی دارالحدیث بن گئی۔ حقیقت میں جناب حضرت شاہ ولی اللہ کی درس گاہ اس وقت علوم حدیث وتفسیر کا مخزن اور حنفی فقہ کا سرچشمہ تھی۔''

والد کی وفات سے سفرِ حج تک بارہ سال جم کر پڑھانے کے نتیجے میں آپ کو اپنے فارغ التحصیل تلامذہ کی ایک ایسی جماعت بھی مل گئی تھی جو تدریس میں ان کی رفیق ومعاون ہوئی۔ ان معاونین میں سے شاہ محمد عاشق اور اخون محمد سعید کے نام ہم پہلے لے چکے ہیں، تیسرے خواجہ محمد امین ولی اللّٰہی تھے جو شاہ عبدالعزیز کے بھی استاد تھے چوتھا نام ہمارے خیال میں شاہ اہل اللہ کا ہے

جو شاہ ولی اللہ سے دو سال چھوٹے تھے اور جنھیں سفر حج پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحب اعطاء خرقہ اجازت بیعت وارشاد اور دستار فضیلت سے سرفراز فرماتے گئے تھے۔[۱۰]

شاہ صاحب نے سفر حرمین سے مراجعت کے بعد تجدید واحیاء اور ملت کی جامع وہشت پہلو اصلاح کا جو منصوبہ بنایا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ اپنی جسمانی وذہنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کا صرف بڑی احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ فرمائیں اور کسی ایسے مشغلے میں آپ صرف اوقات واستعداد نہ فرماویں جس کی افادیت کا دائرہ محدود ہو، چنانچہ تدریس اور تحریر میں سے آپ نے تحریر کو اس کی زمانی ومکانی افادیت کے پیش نظر ترجیح دی اور اپنے بیش تر اوقات غور وفکر اور نتائج غور وفکر کو قلم بند کرنے کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ فرمایا، مگر اس سے پہلے تدریس کا فرض ادا کرنے کے لیے ایک جماعتِ معلمین کو تربیت دینے کا عزم کیا۔ اپنے ۱۲/۱۵ سالہ عہد تدریس میں انھوں نے متعدد علماء پیدا کر دیے تھے، ان کی تدریس کی تربیت بھی ہوگئی تھی، ان کے فنون کا تخصص بھی نکھر چکا تھا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ شاہ صاحب نگرانی وسرپرستی تک خود کو محدود کرلیں اور تدریس سے دست کش ہو کر خود کو فکر وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے لیے وقف کر دیں۔ شاہ عبدالعزیز نے شاہ صاحب کی اس منصوبہ بندی اور تقسیم کار کا ذکر اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرمایا ہے۔[۱۱]

"حضرت والد ماجد از ہر فن شخصے تیار کردہ بودند طالب ہر فن باوے می سپردند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می رسید می نگاشتند مریض ہم کم می شدند"۔

(حضرت والد ماجد نے ہر فن کے لیے ایک شاگرد کو تیار کیا تھا (متخصص بنایا تھا) اور ہر فن کے طالب علم کو اس متخصص کے سپرد فرماتے تھے اور خود فکر ونظر اور تحریر میں مشغول رہتے تھے فکر ونظر کے جو نتائج ہوتے تھے ان کو قلم بند فرمالیتے تھے، مریض بھی کم ہی ہوتے تھے۔)

غالباً اسی تقسیم کار اور ترک مشغلۂ تدریس کا ہی نتیجہ[۱۲] ہے کہ ہم شاہ صاحب کے تلامذہ کی تعداد حیرت انگیز طور پر کم پاتے ہیں اور مختلف ومتعدد مآخذ سے تلاش بسیار کے بعد ہم ۳۲ تلامذہ

کا شمار کر سکے ہیں (جن کی فہرست مع حوالہ مآخذ ایک مستقل مضمون میں درج کی جا رہی ہے)۔ القول الجلی میں متعدد مزید تلامذہ مذکور ہیں۔ ان ہی تلامذہ میں سے شاہ صاحب نے کچھ حضرات کو معلم بنایا ہوگا۔

شاہ عبدالرحیم کے زمانے سے یہ مدرسہ مہندیوں میں قائم تھا۔ شاہ ولی اللہ کے سفر حج سے آنے کے بعد بھی وہیں رہا اور پھر شاہ جہاں آباد[۱۴] منتقل ہو گیا۔ مولوی سید احمد لکھتے ہیں۔[۱۵]

"روشن اختر محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ تھا، اس نے چاہا کہ شاہ صاحب کے دم سے شاہ جہاں آباد کو عزت ہوئی تو کیا کہنا ہے، لہٰذا مولانا کو شاہ جہاں آباد میں بلایا اور ایک عالی شان مکان رہنے کے لیے دیا جس کا تفصیلی حال ہم اپنی کتاب یادگار دہلی میں لکھ چکے ہیں۔ شاہ صاحب شاہ جہاں آباد تشریف لائے اور مع قبائل رہنے لگے۔"

یہ مکان اس محلے میں تھا جس کو آج کل "کلاں محل" کہا جاتا ہے، اس مکان کا وہ حصہ جو شاہ صاحب کے خاندان کی سکونت کے لیے مخصوص تھا "زنانہ" کہلاتا تھا اور وہ بیرونی حصہ جس میں درس گاہ تھی "مدرسہ" کہلاتا تھا۔ یہ عمارت جو بقول بشیر الدین "نہایت عالی شان اور خوبصورت" تھی، غدر تک صحیح حالت میں تھی۔

"غدر میں مکانات لوٹ لیے گئے، گرا دیے گئے، کڑی تختہ تک لوگ اٹھا لے گئے خانہ خالی را دیوی گیرد۔ ایک شریف گردی تھی کہ الٰہی توبہ۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، جس کا قابو چلا وہ قابض ہو گیا، اب متفرق مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلہ شاہ عبدالعزیز "مدرسہ" کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔"[۱۶]

مولوی سید احمد نے مزید تفصیل سے بتایا ہے کہ "مدرسہ[۱۷]۔۔۔ تخمیناً چالیس سال سے غیر آباد ہے، اگرچہ اولاد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب ممدوح سے چند اشخاص اسی مدرسہ موصوفہ میں برابر سکونت پذیر رہے۔ اسی اثنا میں مکان مدرسہ بھی ایام غدر میں منہدم ہو گیا۔"

مدرسے کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب مدرسے کا اہتمام وصدارت کا بار شاہ

عبدالعزیز جیسے جوان پختہ کار نے اٹھایا۔

شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت (۱۷۶۲ء) شاہ عبدالعزیز صرف ایک سولہ سالہ منتہی طالب علم تھے۔ ان کی باقی تین حقیقی بھائی بترتیب ۱۲۔۸۔۴ سال کے تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد ماجد کے تلامذہ و رفقا سے تعلیم کے آخری مراحل طے کئے اور طریقۂ ولی اللہی کے سجادہ خلافت اور مدرسۂ ولی اللہی کی مسند صدارت پر متمکن ہو گئے۔ اس وقت ان کے معاونین شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ تھے۔ ۴ سال بعد ہی ۱۱۷۹ھ میں ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین تعلم سے فارغ ہوتے ہی تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے اور یوں طریقے اور مدرسے کو ایک اور جواں سال و جواں ہمت رکن حاصل ہو گیا۔ پھر چند سال بعد شاہ عبدالقادر نے مدرسین کی فہرست میں ایک اہم اضافہ کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان چاروں بھائیوں کے اخلاف شاہ اسحٰق، شاہ یعقوب، شاہ اسماعیل، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ اور شاہ عزیز کے بعض تلامذہ مثلاً مولوی رشید الدین نے مدرسے کے ایک ایک گوشے کو آباد کر کے تدریس کے جوہر دکھائے اور طالبانِ علوم دین کی تشنگی کو رفع کیا۔

مدرسے کا یہ دور اپنے ماقبل و مابعد کے ادوار سے ہر اعتبار اور ہر پہلو سے ایک تابناک و روشن دور تھا۔ شاہ ولی اللہ نے درسِ قرآن کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس کے قبول عام کا کوئی تاریخی ثبوت ہماری نظر سے نہیں گزرا مگر شاہ عبدالعزیز نے درس قرآن کا سلسلہ کچھ ایسے دل نشین و موثر اور سادہ و قابل فہم انداز سے چھیڑا کہ وہ طلبہ سے زیادہ عوام کی دلچسپی کی چیز بن گیا اور مدرسے کے ایک سبق کے بجائے مجلس کا موضوع ہو گیا۔ شاہ ولی اللہ کے دور میں مدرسے سے فتاویٰ کے اجراء کی مثالیں بہت کم ہیں مگر شاہ عبدالعزیز کے دور میں دہلی و بیرونِ دہلی کے زبانی و تحریری سوالات کا ایک تسلسل نظر آتا ہے اور فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کے ضخیم مجلدات شاہ صاحب کی طرف ملک کے مسلمانوں کے رجوع کا پتہ دیتے ہیں۔ مدرسین کی تعداد بھی اس دور میں زیادہ رہی۔ شاہ عبدالعزیز شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادر، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ، شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، مولوی عبدالحئی بڈھانوی، شاہ محمد اسحٰق، شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد اسمٰعیل، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید

الدین خاں وغیرہ وہ فخر روزگار مدرسین ہیں جو مدرسے کے اس ۶۰ سالہ (۱۷۶۲ء۔۱۸۲۳ء) دور زریں میں مختلف اوقات میں سرگرم افادۂ درس رہے۔

اس دور کے مستفیدین و تلامذۂ مدرسہ کی تعداد ناقابل شمار ہے۔ جو ہزاروں طلبہ اوراق تاریخ میں جگہ پانے سے محروم رہ گئے، ان کو چھوڑ کر اگر صرف انہی حضرات کو شمار کیا جائے جن کے نام اور کام کو تاریخ کے حافظے نے محفوظ رکھا ہے تو بھی یہ تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔

شاہ عزیز جب ریح البواسیر کے عوارض کا شکار اور بصیر ہو گئے تو مدرسے کی صدارت سے شاہ رفیع الدین عہدہ برآ ہوئے اور جب ۱۸۱۷ء میں وہ رحلت فرما گئے تو شاہ اسحٰق کی نوجوانی نے حوادث کی دعوت مبارزت کو لبیک کہا اور شاہ عزیز کی نگرانی کے سائے میں مدرسے کی خدمت انجام دی اور ۱۸۲۳ء کے بعد تو وہی تمام شعبوں میں نانا کے جانشین ثابت ہوئے۔

مدرسہ اس دور میں بھی اسی جگہ (کلاں محل) رہا، البتہ ایک مدرس (شاہ عبدالقادر) نے اکبرآبادی مسجد کے حجرہ میں اقامت اختیار کر لی تھی، اس لیے طلبہ ان سے متعلق اسباق کے لیے اکبرآبادی مسجد میں حاضری دیا کرتے تھے۔

مدرسے کا تیسرا دور متاخرین خاندان کا دور ہے۔ اس دور میں مدرسے کی صدارت شاہ محمد اسحٰق سے متعلق رہی، اس لیے کہ وہی شاہ عبدالعزیز کے نواسے ہونے کے علاوہ مسلم جانشین اور خلیفہ بھی تھے۔ اس دور کے مدرسین شاہ محمد یعقوب، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین خاں وغیرہ تھے۔ ولی اللہیوں کی یہ نژاد تو متنوع کے دینی و عقلی علوم کے متخصصین کی ایک باوقار جماعت تھی۔ اطراف و اکناف عالم کے طلبہ کا ہجوم اور پڑھانے والوں میں شفقت و رافت، محنت و جفاکشی کی فراوانی، مدرسہ آباد و پُر رونق، دور دور مشہور و نیک نام نہ ہوتا تو کیوں نہ ہوتا! صدر المدرسین شاہ محمد اسحٰق کا جو نظام الاوقات مورخین نے بیان کیا ہے اس سے مدرسے کے رنگ کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لکھا ہے کہ شاہ اسحٰق نماز صبح کے فوراً بعد گھر میں لڑکیوں کو پڑھاتے۔ پھر مدرسے میں آ جاتے اور دوپہر تک مصروف درس رہتے۔ دوپہر کے کھانے اور قیلولے کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اور پھر درس کا سلسلہ

شروع ہو جاتا جو نماز عصر کے علاوہ نماز مغرب تک جاری رہتا۔ نماز مغرب کے بعد اندرونِ خانہ تشریف لے جاتے مگر جلد واپس آ جاتے اور نماز عشا تک درس دیتے رہتے۔

شاہ ولی اللہ کے دور سے درسِ قرآن (وعظ) کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ وہ اس دور میں بھی اس شان سے جاری رہا۔ سرسید کا بیان ہے کہ [۱۸]

''میں شاہ اسحٰق کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا۔ باہر مردوں کا ہجوم ہے زنانے میں عورتیں جمع ہیں نہ ڈولیوں کا شمار ہوتا نہ پالکیوں کا، شاہی محلات کی بیگمات تک آتی تھیں، امرا کے ہاں سے کھانے کی دیگیں پک کر آتیں جو طلبہ اور عوام میں تقسیم ہو جاتیں خود شاہ صاحب معمولی چپاتی اور شوربہ گاڑھے کے دستر خوان پر رکھ کر کھاتے۔''

مدرسے کے نصاب تعلیم میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں ہیں۔

اس دور میں ایک اہم تغیر یہ ہوا کہ مقاماتِ درس تقسیم ہو گئے، اصل اور قدیم مدرسہ واقع کلاں محل جو اس زمانے میں جیسا کہ مولوی بشیر الدین وغیرہ نے لکھا ہے ''مدرسہ شاہ عبدالعزیز'' کہلاتا تھا، ایک بڑی حویلی کا ایک حصہ تھا اور دوسرا حصہ زنانہ کہلاتا تھا اور ورثاء شاہ عبدالرحیم وشاہ ولی اللہ کی سکونت گاہ تھا، شاہ عزیز کے نواسے شاہ اسحٰق وشاہ یعقوب بھی اپنی والدہ کی حیات میں یہیں سکونت پذیر تھے۔ شاہ اسحٰق کی والدہ کا وصال چونکہ اپنے والد (شاہ عزیز) کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، اس لیے شاہ عزیز نے اپنے ان دونوں نواسوں کی سکونت کے لیے ایک قطعۂ زمین الگ خرید کر اس پر وسیع عمارت تعمیر کرادی۔ یہ دونوں بھائی اسی میں رہتے اور اسی میں درس دیا کرتے تھے اس لیے یہ عمارت ''مدرسہ شاہ اسحٰق'' کہلانے لگی۔ اور شاہ اسحٰق ہی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے صدر مدرس اور نگراں تھے، اس لیے اس واقعہ کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ مدرسہ قدیم کا مقام تبدیل ہو گیا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مقامات درس تقسیم ہو گئے کیوں کہ باقی اساتذہ (شاہ مخصوص اللہ اور شاہ موسیٰ وغیرہ) قدیم مدرسے ہی میں پڑھاتے رہے تھے، جسے مدرسۂ اسحاق کی تعمیر کے بعد ''مدرسۂ کہنہ'' بھی کہنے لگے تھے۔

مولوی بشیر الدین واقعات دارالحکومت دہلی میں ''مدرسۂ شاہ عبدالعزیز'' کے عنوان سے، مدرسۂ رحیمیہ یا مدرسۂ کہنہ کا حال جدا تحریر کرنے کے بعد ''مدرسہ مولانا محمد اسحٰق صاحب'' کا عنوان قائم کر کے اس مدرسۂ جدید کے متعلق لکھتے ہیں:

''جس وقت شاہ عبدالعزیز صاحب کی دختر نیک اختر یعنی شاہ محمد اسحٰق کی والدہ کا انتقال ہوا، حضرت کو خیال ہوا بھتیجوں کے سامنے نواسے وارث نہ ہوں گے، اس لیے مولانا شاہ اسحٰق اور مولانا یعقوب دونوں بھائیوں کے لیے قطعۂ زمین علیحدہ خرید کر اس میں عمدہ پختہ مکانات بنا دیئے اور انہی کے نام کر دیئے۔ چنانچہ مولانا صاحب چند سال ان مکانوں میں رہے اس کے بعد یک بیک خانۂ کعبہ کا شوق پیدا ہوا، حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور تمام مکان اور اثاثہ بیچ کر ۱۲۵۶ھ میں مع اہل وعیال کے ہجرت فرما گئے۔ اب مدرسے میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں، چوبان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے ہیں، ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے، اب چوں کہ یہ کل جائیداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے اس لیے اس گلی پر ''مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس'' کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔''

واقعات دارالحکومت دہلی ص ۱۶۷ حصہ دوم۔

شاہ محمد اسحٰق کی ہجرت حرم (ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ) پر اس مدرسے کی ۱۵۰ سالہ تاریخ کا اختتام ہوگیا، کیوں کہ شاہ مخصوص اللہ[19] تو پہلے ہی تدریس سے دست کش اور گوشہ نشین ہوگئے تھے اور شاہ محمد موسیٰ نے شاہ محمد اسحٰق کی ہجرت کے صرف ۹ ماہ بعد رجب ۱۲۵۹ھ میں وصال فرمایا۔

مدرسے کا چوتھا دور ۱۳۰۸ھ میں شروع ہوا اور بہت جلد ختم بھی ہوگیا، یہ دور تجدید واحیاء مدرسہ کی ایک نیک دلانہ خواہش کا سرجوش تھا، اور صرف برائے نام کامیابی پر منتج ہو کر بہت جلد ختم ہوگیا۔

تھی وہ ایک درماندہ رہ روکی صدائے دردناک
جس کو آواز رحیل کارواں سمجھا تھا میں

شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سید ناصر الدین کے پوتے مولوی سید احمد نے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں صرف ولولوں اور حوصلوں کے سہارے پر اپنے آبائی مدرسے کی تجدید کا عزم کیا تھا اور سروسامان سے محرومی، ذاتی اثرات کے فقدان، ابنائے زمانہ کے عدم تعاون اور حالات کی ناسازگاری کے ہاتھوں شاید مدرسے کی تجدید کے اعلانات سے بات آگے نہیں بڑھ سکی۔ مولوی سید احمد نے اپنے اسلاف کے رسائل و کتب کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور مطبع (دوکان اسلامیہ اور مطبع احمدی) جاری کیا۔ اسی مطبع سے شائع شدہ ایک کتاب (فیوض الحرمین) کے خاتمہ (۱۰۷۔۱۰۸) میں پہلی بار اس مدرسے کی تعمیر نو اور تجدید کا اعلان کیا۔ اس اعلان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسے کی عمارت کے کچھ حصے کی تعمیر کرائی تھی مگر اصل کام۔ سلسلۂ درس کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا۔ یہ اعلان محرم ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) میں کیا تھا، اس کے بعد کی مطبوعہ کتابوں کے خاتمے میں مدرسے کے آغاز کا اعلان اور اعانت کے لیے دعوت دی جاتی رہی مگر کوئی تفصیل کبھی نہیں آئی، یہاں تک کہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں جب مولوی سید عبدالحی ان سے ملے ہیں تو مدرسہ باقی نہیں رہا تھا لکھتے ہیں:[۲۰]

> ''انھوں (سید احمد) نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان حضرات کی کتابیں شائع کی جائیں چنانچہ اکثر رسائل چھپوائے ہیں اور باقی چھپ رہے ہیں ایک پریس بھی قائم کیا ہے ابتداء میں خاص حضرت مولانا کے مدرسہ میں ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، مگر ابناء زمانہ کی بے التفاتی سے وہ ٹوٹ گیا۔''

مولوی سید احمد نے مدرسے کا نام مدرسۂ عزیزی تجویز کیا تھا۔ مطبع کے نام کے ساتھ بالالتزام ''متعلق مدرسۂ عزیزی'' لکھا کرتے تھے، کہیں کہیں ''مدرسۂ کہنہ شاہ عبدالعزیز صاحب'' بھی لکھتے ہیں۔ ''کہنہ'' کی قید ''مدرسۂ شاہ اسحٰق'' سے امتیاز کے لیے تھی۔

مدرسے کا نصاب شاہ عبدالرحیم سے لے کر شاہ اسحٰق کے عہد تک کیا رہا اور اس میں کس کس نے کیا تبدیلیاں کیں؟ تفصیل ملاحظہ ہو۔

## مدرسۂ رحیمیہ کا نصاب تعلیم

مدرسۂ رحیمیہ کے نصاب تعلیم کی تفاصیل منضبط نہیں ہیں کہ کس کس دور میں کون کون سی کتابیں داخل درس رہیں؟ کب کس کتاب کا اضافہ کیا گیا؟ یہ اضافات کس کس نے کئے؟ کب کب کئے؟

شاہ ولی اللہ نے اپنا نصاب درس اس طرح درج کیا ہے

حدیث مشکوہ، صحیح بخاری (تا کتاب الطہارت)

تفسیر بیضاوی (کچھ حصہ)

فقہ شرح وقایہ، ہدایہ

اصول فقہ، حسامی، توضیح وتلویح

منطق شرح شمسیہ (قطبی) شرح مطالع (کچھ حصہ)

کلام، شرح عقائد مع خیالی، شرح مواقف

سلوک، عوارف، رسائل نقشبندیہ

حقائق، شرح رباعیات جامی، لوائح، مقدمہ نقد النصوص

خواص اسماو آیات، شاہ عبدالرحیم کا مولفہ رسالہ

طب، موجز القانون

حکمت، شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ

نحو، کافیہ وشرح ملا جامی

معانی، مطول، مختصر المعانی

ہندسہ وحساب، چند رسائل مختصرہ [21]

لیکن یہ فہرست صحیح اور کامل نہیں ہے، اولاً شاہ صاحب شاید بھول گئے تھے جو اس

فہرست میں زنجانی درج نہیں کی، شاہ محمد عاشق نے القول الجلی میں زنجانی کا بھی نام لیا ہے۔

شاہ صاحب نے ایک جگہ "وغیرہ" اور ایک جگہ "چند رسائل" لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے حدیث کی قرآت وسماعت شیخ محمد افضل سرہندی سے کی تھی اور حجاز میں شیخ ابوطاہر مدنی وغیرہ سے جن جن کتابوں کی قرآت سماعت کی تھی ان کی تفصیل الارشاد الیٰ مہمات الاسناد اور رسالہ شیخ سعید سنبل معروف بہ اوائل میں وغیرہ میں درج کی ہے۔

آخر عمر میں ان کی نظر میں موطا امام مالک کی اہمیت بڑھ گئی تھی اس طرح تفسیر جلالین کی افادیت بھی واضح ہوگئی تھی چنانچہ اپنے وصیت نامے [۲۲] میں ان کی تدریس کی وصیت کی ہے اس کے علاوہ انھوں نے اپنے وصال سے صرف تین سال قبل ۱۱۷۳ھ میں شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم من اہل فنجاب کو جو اجازہ دیا تھا اس میں الجزء اللطیف میں درج نصاب سے حسب ذیل کتابیں زائد ہیں۔

(۱) جلالین سورہ یونس سے سورۂ کہف تک

(۲) صحیح مسلم

(۳) سنن ابی داؤد

(۴) جامع ترمذی

(۵) سنن نسائی

(۶) سنن ابن ماجہ

(۷) سنن دارمی

(۸) مسند احمد

(۹) شمائل ترمذی

(۱۰) الحصن الحصین

(۱۱) نخبۃ الفکر

(۱۲) شرح نخبۃ الفکر

(۱۳) کتاب الامم شیخ ابراہیم الکردی

(۱۴) عوارف المعارف

(۱۵) احیاء العلوم

نیز اپنی حسب ذیل تالیفات بھی درج کی ہیں:

(۱) المسوّیٰ (شرح موطا)

(۲) الحجۃ اللہ البالغہ

(۳) الانصاف

(۴) عقد الجید

(۵) القول الجمیل

(۶) مسلسلات

(۷) النخبۃ فی سلسلۃ الصحبۃ

(۸) الفوز الکبیر

اور ان آٹھ کتابوں کے بعد ''وغیرہ ذلک من کتبی'' تحریر کیا ہے۔

یہ صرف حدیث، اصول حدیث، تفسیر اور تصوف کی کتابوں کا ذکر تھا، دوسرے فنون و کتب میں ترمیم و اضافے کی شدید ضرورت تھی کیوں کہ مندرجہ بالا نصاب [۲۳] تعلیم نامکمل، ناقص اور ترمیم طلب تھا کئی فنون سرے سے غائب تھے مثلاً صرف، ادب، اصول تفسیر، تاریخ، الٰہیات وغیرہ اور داخل نصاب میں بھی کتابوں کی تعداد مختصر [۲۴] اور ناکافی تھی اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ خاندان رحیمی کا نصاب بہت جلد تبدیل ہو گیا اور تفسیر حدیث کلام، تصوف وغیرہ میں نہ صرف شاہ ولی اللہ کی کتابیں داخل نصاب کی گئیں بلکہ دوسری مفید کتب کا اضافہ بھی کیا گیا مثلاً سلوک و حقائق کی کتابوں کے متعلق شاہ عبد العزیز کا ایک ملفوظ

ہے:

''درس ہر علم این جاجدا بود چنانچہ طور درس تصوف بایں طور می شنایدم کہ اول لوائح بجائے میزان بعدہٗ لمعات وشرح لمعات بعدہ درۃ فاخرہ تصنیف شاگرد محی الدین قونوی بعدہ فصوص بعدہٗ فتوح الغیب[۲۴]

''ہر علم کے درس کا طور یہاں (خاندان رحیمی میں) مدرسوں سے مختلف ہے، تصوف کے درس کا طور یہ ہے کہ پہلے میزان کے بجائے لوائح اس کے بعد لمعات اور شرح لمعات اور شرح درۃ فاخرہ جو محی الدین قونوی کے شاگرد کی تصنیف ہے اس کے بعد فصوص اس کے بعد فتوح الغیب[۲۵]''

اس طرح ''فنون'' کی کتب میں بھی مزید اضافہ قرین قیاس ہے، ہم ابناو احفاد شاہ ولی اللہ کی فنون میں مہارت کا ذکر سنتے ہیں مثلاً شاہ رفیع الدین کی ریاضیات میں مہارت کے متعلق شاہ عبدالعزیز کے کئی ملفوظ ہیں اور یہ جو شاہ عبدالعزیز نے ہدایۃ الحکمۃ اور زواہد ثلاثہ پر حواشی لکھے تھے تو یہ مہارت ''چند رسائل مختصر'' کی تعلیم سے تو پیدا نہیں ہوئی تھی یقیناً عقلیات کے متون وشروح درس ومطالعہ میں رہے ہوں گے۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز سے نصاب درس میں ایک اور قابل قدر اضافہ کا پتہ چلتا ہے یہ ہے عبرانی زبان اور تورات وانجیل کی تعلیم، شاہ صاحب نے فرمایا:

''فاضلے از اکابر علما آمدہ بود از و تحقیق تورات بزبان عبری می کردم
چنانچہ چند آیات او مع ترجمہ ارشاد فرمود[۲۶]''

''اکابر علما میں سے ایک فاضل (دہلی) آیا تھا میں نے اس سے عبرانی زبان میں تورات پڑھی چنانچہ تورات کی چند آیات اور ان کا ترجمہ سنایا۔''

اس کے بعد راوی نے وہ آیات بھی نقل کی ہیں اور انا جیل کے متعلق شاہ صاحب کی رائے بھی نقل کی ہے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ترمیم صرف شاہ صاحب کی ذات تک

محدود اور انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی تھی بلکہ اس کو نصاب درس کی ایک مستقل ترمیم کے طور پر مقبول کر لیا گیا تھا اور تعلیم اناجیل کو مدرسہ رحیمیہ کا نصاب کا ایک لازمی جز بنا دیا گیا تھا چنانچہ شاہ محمد اسحاق فرماتے ہیں۔ ہمارے خاندان کا قاعدہ ہے کہ وہ تفسیر سے پہلے تورات و انجیل و زبور پڑھا دیا کرتے تھے کیوں کہ بغیر ان کتابوں کے پڑھے قرآن شریف کا لطف ہی نہیں آتا اس قاعدے کے تعلق مجھے بھی یہ کتابیں پڑھائی گئیں اور اس لیے میں عیسائی مذہب سے ناواقف نہیں ہوں۔

مدرسہ رحیمیہ کے نصاب درس میں غیر مختتم سلسلہ اصلاح [۲۷] و ترمیم کی ہی ایک کڑی شاہ عبدالعزیز کا وہ فتوائے جواز ہے جو انھوں نے انگریزی زبان کے حصول کے لیے دیا تھا اور انگریزی پڑھنا یعنی آئین خط کتابت و لغت و اصطلاح ایں بار ادانستن باکے نیست (خط و کتابت زبان اور اصطلاحات کا جاننا بے ضرر ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ نیت مباح ہو اور انگریز کی خوشامد اور ان سے میل جول بڑھانے کے لیے یہ کام نہ ہو)۔

## حواشی

۱۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸ و حیات ولی ص ۲۳۰ واقعات دارالحکومت دھلی حصہ دوم ص ۵۹۰۔

۲۔ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز میں شاہ غلام علی اور شاہ عزیز کی جو مراسلت درج ہے اس میں دونوں نے صرف "مدرسہ" کا لفظ لکھا ہے۔ شاہ غلام علی نے "در مدرسہ ما فقیراں" اور شاہ عبدالعزیز نے "درین مدرسہ" لکھا ہے، ص ۹۱ ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں بھی ایک جگہ مولف نے لکھا ہے۔ "بزمانہ رفتہ بمدرسہ آمدند" ص ۸۴ شاہ ولی اللہ نے الجزء اللطیف میں صرف مدرسہ کا لفظ لکھا ہے۔ ص ۱۹۴

۳۔ تفہیمات الہیہ جلد اول ص ۲۳۷۔

۴۔ حیات ولی (طبع اول) ص ۲۶۲

۵۔ ایضاً ص ۲۲۹

۔ بہت سے لوگ کوئی وجہ اور سبیل نہ ہونے کی بنا پر تذکروں میں نہیں آیا کرتے، مدرسے کے بھی جانے کتنے طلبہ کے نام ایسے ہی ضبط ہونے سے رہ گئے۔ خود شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ انھوں نے بخاری "بقرأت بعض اصحاب" پڑھی تھی، الجزء اللطیف ص ۱۹۴۔

۶۔ الجزء اللطیف (مع انفاس العارفین) ص ۱۹۵ مطبع احمدی دہلی۔

۷۔ حیات ولی ص ۲۳۰

۸۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸

۹۔ مقدمہ فتح الرحمٰن

۱۰۔ خاتمہ تاویل الاحادیث

۱۱۔ خاتمہ تکملۂ ہندی از مولوی سید احمد، مطبع احمدی دھلی

۱۲۔ ملفوظات ص ۴۰۔

۱۳۔ شاہ صاحب کے تلامذہ کی قلت تعداد کا صرف یہ ایک سبب ہی نہیں ہے۔ اور بھی اسباب ہیں اولاً تو شاہ صاحب دھلی میں کم ہی رہے مولف الروضۃ القیومیہ نے (ان کے عہد شباب میں) لکھا ہے کہ آج کل پھلت میں رہتے ہیں' وفات سے قبل بھی پھلت ہی میں جا رہے تھے۔

۱۴۔ گزشتہ صدی تک ہندیوں کو پرانی دلی اور شاہ جہاں آباد یعنی آج کی پرانی دلی کو نئی دلی کہتے تھے۔ ۱۹۱۲ء میں جب انگریزوں کی نئی دلی آباد ہوئی شاہ جہاں کی نئی دلی پرانی ہوگئی۔

۱۵۔ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸

۱۶۔ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۱۷۴/۱۷۳

۱۷۔ خاتمہ فیوض الحرمین ص ۱۰۷

۱۸۔ آثار الصنادید

۱۹۔ سر سید احمد خان نے اپنی کتاب آثار الصنادید (تالیف ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء) میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ ہوا سر رشتہ تدریس ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ ایک عرصہ کا مطلب صرف ۵ سال بھی لیں تب بھی ۱۲۵۸ھ میں وہ گوشہ نشین ہو گئے ہوں گے۔

۲۰۔ دہلی اور اس کے اطراف ص ۶۶

۲۱۔ الجزء اللطیف

۲۲۔ الرسالہ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیۃ مطبع احمدی سری رام پور ص ۷

۲۳۔ اس کے برعکس اسی عہد میں ملا نظام الدین فرنگی محلی (ف ۱۷۴۷ء) نے لکھنؤ میں جو نصاب مرتب کیا تھا وہ زیادہ حاوی و جامع تھا۔

۲۴۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز، مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ ص ۲۵

۲۵۔ ملفوظات، ص ۴۰ و ص ۶۲ ملفوظات ص ۲۷

۲۶۔ ارواح ثلاثہ ص ۱۱۳

۲۷۔ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز ص ۱۱۰

# شاہ اہل اللہ

شاہ عبدالرحیم کا پہلا عقد سونی پت (پنجاب، بھارت) میں ہوا تھا اور دوسرا عقد باون سال کی عمر میں پھلت کے شیخ محمد صدیقی کی دختر فخر النساء سے ہوا۔ فخر النساء کے بطن سے دو صاحب زادے ہوئے: (۱) شاہ ولی اللہ (۲) شاہ اہل اللہ۔ شاہ ولی اللہ کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ بجا طور پر اس کے مستحق تھے مگر شاہ اہل اللہ کو متعدد وجوہ سے وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ مستحق تھے۔

شاہ اہل اللہ ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۸ء میں پھلت میں پیدا ہوئے، تحصیل علوم والد ماجد سے کی اور دینیات، عقلیات اور طب میں مقام حاصل کیا۔ ۱۲ سال کی عمر میں والد ماجد سے بیعت ہوئے اور اشغال طریقہ اخذ کئے اسی عمر میں اپنے والد کے مکاتیب کا ایک مجموعہ "انفاس رحیمیہ" مرتب کیا جسے والد نے دیکھا پسند کیا تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں والد کے سائے سے محروم ہو گئے تو تحصیل و تربیت کی کمی کو اپنے بڑے بھائی سے رفع کیا اور تدریس وافادہ میں مشغول ہو گئے۔

۱۱۴۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ نے پہلی بار سفر حج کا ارادہ کیا اُن کے سر پر خلافت کی دستار باندھی اور اجازت بیعت وارشاد اُن کو دی اور انھیں والد کا جانشین بنایا اور فرمایا جیسا خرقہ والد ماجد نے مجھے پہنایا تھا ایسا ہی میں انھیں پہناتا ہوں، متعلقین کو چاہیے کہ انھیں بجائے پدر بزرگ وار سمجھیں۔[1]

تحصیل علوم سے فراغت کے بعد شاہ اہل اللہ نے باقاعدہ مطب کا سلسلہ شروع کیا، شاہ عبدالرحیم بھی طبیب تھے اور مطب کرتے تھے، شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

''از ہر علم بہرۂ معتد بہ داشتند وترک مناسبت بعض از فنون طبع ایشاں رضا نمی دادو در طب حدس ایشان بغایت سلیم ورسا بود'' [۲]

''ہر علم میں بڑی دست رس رکھتے تھے ان کو گوارا نہیں تھا کہ کسی بھی فن میں انھیں مناسبت نہ ہو، طب میں ان کی آرا بہت صحیح اور رسا ہوتی تھیں۔''

تشخیص مرض میں ان کی دراکی اور ملکہ کا ایک دلچسپ واقعہ بھی شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ سادات بارہہ کے کسی گاؤں میں آپ تشریف لے گئے تو آپ کو ایک بیمار کا قارورہ دکھایا گیا آپ نے صرف قارورہ دیکھ کر، نبض دیکھے اور سوالات کیے بغیر نسخہ تجویز کر دیا ایک ہندو طبیب نے جو وہاں موجود تھا سوال کیا کہ حضرت! تشخیص مرض بھی فرمائی ہے آپ نے مسکرا کر جواب دیا یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا یہ نام ہے یہ شکل وصورت ہے یہ اخلاق وعادات ہیں، یہ شکایات ہیں، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے کام جو وہ کرتی تھی ہمیں معلوم ہیں، ہندو طبیب نے برمحل سوال کیا یہ باتیں کس طبی کتاب میں لکھی ہیں؟ آپ نے فرمایا جی نہیں یہ طب نہیں ہے، یہ ہم غلامان محمد (ﷺ) کی فراست صادقہ ہے۔ [۳]

شاہ اہل اللہ نے بھی فراغت کے بعد طب کا سلسلہ شروع کیا۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ

''حکمت ہم خاندان ما معمول بود چنانچہ جد بزرگ وار وعم فقیری کردند'' [۴]

ہمارے خاندان میں طب کا سلسلہ بھی تھا چنانچہ میرے جد بزرگ وار اور چچا بھی مطب کرتے تھے۔ ایک اور موقع پر فرمایا:

''عم من در طب مہارت کامل داشت
میرے چچا طب میں ماہر کامل تھے۔ [۵] ''

شاہ اہل اللہ ابتدا میں مطب میں زیادہ وقت نہیں دیتے تھے۔ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب نے کہا مبارک ہو اللہ تعالےٰ نے تمھارے علاج سے شفا پائی ہے، اس جواب سے بہت خوش ہوئے اسی زمانے میں ایک دو درویشوں کے علاج کا بھی اتفاق ہوا تھا شاید اللہ تعالےٰ کی خوش نودی کا یہی باعث ہو حدیث قدسی میں **مرضت فلم تعدنی** کا مقتضا بھی یہی ہے، اس کے بعد خادموں کو ہدایت کردی کہ کوئی بھی مریض کسی بھی وقت آئے مجھے ضرور اطلاع کر دیا کریں۔[٦]

شاہ صاحب دوسرے اطبا کی طرح مریضوں کے معالجہ کے لیے گھروں پر بھی بلائے جاتے تھے ایک بار ایک مریض کے گھر جاتے وقت اپنے بھتیجے شاہ عبدالعزیز کو بھی جو بچے تھے، لیتے گئے، مریض ایک ذاکر و شاغل بزرگ تھے مرض موت سے دوچار تھے۔غفلت طاری ہو چکی تھی مگر ہاتھ کی انگلیاں اس طرح ہلا رہے تھے جیسے ہاتھ میں تسبیح ہو اور ایک تسبیح ختم کر کے دوسری تسبیح شروع کرتے وقت جس طرح ''امام'' کو درست کیا جاتا ہے شاہ صاحب نے حساب کیا تو ٹھیک سو دانے گننے کے بعد وہ امام کو درست کرتے تھے، شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ شاہ اہل اللہ فرمانے لگے کہ نیک کام کا محاورہ بڑے کام آتا ہے کہ بے مقصد اور بے ہوشی میں بھی وہ کام انجام دیتا ہے۔[۷]

اس طرح ایک اور ''وزٹ'' VISIT کا عجیب واقعہ شاہ عبدالعزیز نے ہی بیان فرمایا ہے کہ جس زمانے میں ہم لوگ پرانی دلی میں رہتے تھے کوچۂ انبیا کے ایک سیّد صاحب کے ہاں ایک پوربن بڑھیا بیمار پڑھی تھی یہ بڑھیا سیّد صاحب کے ہاں ایک کنیز کی حیثیت سے پلی تھی ان پڑھ تھی اور کبھی نماز کی ٹکر بھی نہیں مارتی تھی آخری وقت آیا تو پوربی لہجے میں چند ایسے الفاظ ادا کرنے لگی جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے، چچا جان کو بلایا گیا آپ نے توجہ سے سنا تو کہہ رہی تھی **لاتخافی و لاتحزنی** آپ نے گھر والوں سے کہا اس سے یہ پوچھو یہ الفاظ کیوں کہہ رہی ہے بڑی مشکل سے بولی کہ کچھ لوگ کھڑے مجھ سے یہ الفاظ کہہ رہے

ہیں، پوچھا گیا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے بولی یہ تو میں نہیں جانتی پر من کہتا ہے میری تسلی کے لیے کہہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ تو نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا مگر ایک روز سردی کے موسم میں تو بازار سے گھی لے کر آئی اور اسے گرم کر کے چھانا تو اس میں سے ایک روپیہ نکلا پہلے تیری نیت یہ ہوئی کہ روپیہ ہضم کرلوں کیوں کہ کسی کو پتہ نہیں تھا مگر پھر اللہ کے خوف سے تو نے وہ روپیہ دکان دار کو لے جا کر واپس کر دیا بس تیری یہ ادا بھا گئی [8]

## پھلت میں

والد کے انتقال کے کچھ مدت بعد ہی شاہ اہل اللہ دہلی سے پھلت منتقل ہو گئے، دہلی سے ساٹھ میل کے فاصلے پر ضلع مظفر نگر کا ایک قریہ ہے جو شاہ صاحب کا ننھیال بھی تھا اور مولد بھی، شاہ ولی اللہ بھی یہیں پیدا ہوئے تھے [9] اور ابتدائی عمر میں ان کا قیام بھی پھلت ہی میں رہا تھا۔

شاہ اہل اللہ نے دہلی کا قیام ترک کر کے پھلت میں کیوں سکونت اختیار کی اس کا سبب معلوم نہیں مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ علمی دنیا میں جس مقام کے مستحق تھے وہ نہ پا سکے اور انہیں نہ صرف خاطر خواہ شہرت نہیں ملی بلکہ ان کے حالات پر بھی پردہ پڑ گیا اور چند سطروں سے زیادہ ان کے حالات یک جا نظر نہیں آتے اور یہ حالت آج نہیں ہوئی بلکہ آج سے سوا سو سال پہلے اور شاہ صاحب کے وصال کے ٹھیک سو سال بعد ۱۲۸۷ھ میں اس خاندان کے ایک متوسل اور نیاز مند کو یہ لکھنا پڑا۔

"وکان لولی اللہ اخ یسمی اھل اللہ کان اھل اللہ واھل العلم بل لم یبلغنی خبرہ فوق ان لہ کتابا"

"شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی اہل اللہ تھے جو ایک باخدا اور صاحب علم بزرگ تھے مجھے ان کے حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم کہ ان کی ایک تصنیف ہے۔" [10]

حال آں کہ اس کتاب میں اس خاندان کے دوسرے ارکان کے حالات کسی قدر تفصیل و وضاحت کے ساتھ درج ہیں۔

مولوی فقیر محمد جہلمی اس خاندان کے تلامذہ میں سے تھے۔ انھوں نے احناف کے تراجم پر مشتمل حدائق الحنفیہ لکھی تھی مگر شاہ اہل اللہ کے ذکر جمیل سے قاصر و محروم رہ گئے حال آں کہ شاہ ولی اللہ کے برعکس شاہ اہل اللہ کی حنفیت میں مجال کلام نہیں ہے بلکہ وہ مسلک امام اعظم کی حمایت و نصرت میں چاق و چوبند تھے اور اس ''جرم'' میں بہت سے ''اخیار'' نے انھیں نظر انداز کیا، خود اس خاندان کے ایک اہم رکن مولوی سیّد احمد ولی اللّٰہی کو شاہ صاحب کی کتاب شائع کرتے وقت ان کا تعارف یوں کرانا پڑا:

''شاہ اہل اللہ بھی اسی خاندان کے ایک ذی علم اور با کمال شخص گزرے ہیں۔''[۱۱]

بہر حال شاہ اہل اللہ مستقلاً ننھیال پھلت میں مقیم ہو گئے تھے وہاں ان کا ذریعہ معاش ممکن ہے جاگیر ہو، ان کے ننھیال میں سلطان سکندر لودھی (ف ۱۵۱۶ء) کے وقت سے زمین داری چلی آتی تھی جو شاہ اہل اللہ کے نانا شیخ محمد پھلتی کے بزرگوں کو ملی تھی۔[۱۲] اس کے علاوہ خود ان کے ددھیال کو بھی جاگیر ملی ہوئی تھی۔ ۱۷۵۷ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے دہلی پر پانچواں حملہ کیا تو ساری جاگیریں ضبط کر لی تھیں، شاہ ولی اللہ ایک خط میں لکھتے تھے۔

''التمغاے اکثرے ضبط شد الا التمغائے ایں جانب کہ دست خط کردہ دادہ اند۔''[۱۳]

''بہت سوں کی جاگیروں کی اسناد ضبط کر لی ہیں ایک میری سند اپنے دست خط کر کے واپس کر دی۔''

ایک زمانے میں شاہ ابوسعید رائے بریلوی نے یا ان کے توسط سے کسی اور صاحب نے شاہ صاحب کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا جس کے شکریے میں شاہ اہل اللہ نے لکھا

''ایں نیازمند را از فکر معاش نجات بخشیدند''

"آپ نے مجھے فکر معاش سے نجات دلا دی ہے۔"[۱۴]

پھر دعا کے بعد لکھتے ہیں:

"حسب الایما خط شکر گذاری بہ خان رفعت نشان مرقوم شدہ"[۱۵]

آپ کے ارشاد کے مطابق خاں صاحب کو شکریے کا خط لکھ دیا ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"احوال یومیہ از توجہ وجیہ صورت گرفتہ بفضل الٰہی تا حال جاری ست و نیاز مند و دیگر کس وکوخود رطب اللسان شکر گذاری ست"

شاہ صاحب کا وصال ۱۱۸۶ھ میں پھلت میں ہوا اور وہیں درگاہ[۱۶] کے احاطے کے باہر مدفون ہوئے۔

## تبرکات

شاہ اہل اللہ کے چند تبرکات اب تک پھلت میں ہیں (۱) موئے مبارک، اس کا قصہ[۱۷] شاہ ولی اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک بار بخار کے تسلسل سے میری (شاہ عبدالرحیم) حالت غیر ہوگئی ایک دن خواب میں نانا (شیخ عبدالعزیز شکر بار) نظر آئے اور فرمایا حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ پھر حضور ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا میرے بیٹے کیا حال ہے؟ میں اس شانِ شفقت اور زحمت عیادت کو دیکھ کر فرط طرب اور وجد میں ہو کر رونے لگا سرکار ﷺ نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا میرا چہرہ آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے لگا ہوا تھا اور میرے اشکوں سے آپ ﷺ کا پیراہن مبارک تر ہوگیا، جب یہ کیفیت کم ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ کاش سرکار ﷺ مجھے موئے مبارک عطا فرما دیں اس خیال سے آگاہ ہو کر آپ ﷺ نے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو موئے مبارک مجھے عطا فرمائے، میں نے بیدار ہو کر وہ موئے مبارک اپنے تکیے کے نیچے پائے، بخار اتر چکا تھا مگر کمزوری باقی تھی وہ بھی چند روز میں دور ہوگئی شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موئے مبارک شاہ ولی اللہ کو دیا

تھا[17] اور دوسرا شاہ اہل اللہ کو، دہلی میں اس موے مبارک کی زیارت ہر سال[18] ہوتی تھی، مولانا فضل رسول بدایونی کا بیان ہے کہ موے مبارک کا صندوقچہ گھر سے باہر شاہ اسماعیل اپنے سر پر اٹھا کر لاتے تھے۔[19]

شاہ اہل اللہ کے حصے میں جو موے مبارک آیا تھا وہ اسے اپنے ساتھ پھلت لے گئے تھے اور وہ وہاں محفوظ ہے، لکڑی کا ایک صندوق ہے اس میں ایک شیشی ہے جس میں روئی کے اوپر موے مبارک رکھا ہوا ہے اہل پھلت کا بیان ہے کہ یہ صندوق شیشی اور روئی وہی ہیں جو شاہ اہل اللہ کے دور میں تھے۔

(۲) مصحف مبارک، خط طغریٰ میں ایک مصحف کلام مجید ہے جس کا عرض تقریباً دو انچ اور طول تقریباً ۱۲/۱۵ افٹ[20] ہے غالباً عہد شاہ جہاں گیر میں لکھا گیا ہے یہ مصحف شاہ اہل اللہ کو اپنے ددھیال سے ملا تھا یا ننھیال سے یہ معلوم نہ ہو سکا شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے نانا شیخ محمد پھلتی پر شیخ آدم بنوری کے خلفا میں سے ایک بزرگ شیخ جلال بہت مہربان تھے۔ انھوں نے وصال کے وقت وصیت کی تھی کہ ان کا مصحف شیخ محمد کو دے دیا جائے۔ ممکن ہے یہی مصحف شیخ محمد سے ان کے نواسے شاہ اہل اللہ کو ورثے میں ملا ہو۔

(۳) نعل مبارک، لکڑی کی ایک طاق (صرف ایک پنجے کی) کھڑاؤں (غالباً دوسرا طاق شاہ ولی اللہ کے حصے میں آیا ہو) معلوم نہیں یہ کھڑاؤں کن ذات گرامی سے نسبت رکھتی ہے؟ اس کی تحقیق کا اتفاق نہیں ہوا۔

(۴) قدم شریف، اس کی بھی تفصیل حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

شاہ اہل اللہ کا قیام (؎ سے ؎) آخری دور حیات میں پھلت میں رہا تھا اس لیے یہ تبرکات شاہ اہل اللہ کے اخلاف کے قبضے میں ہونے کی بجائے شیخ محمد کے اخلاف کے قبضے میں ہیں۔

(۵) ایک مصحف کلام مجید قلمی جس پر حاشیے میں آیات و سورکی شان نزول خاص طور پر

تحریر ہے، مولانا محمد حسین میرٹھی نے، مولانا محمد حسین نبیرۂ شاہ رفیع الدین دہلوی کا نسخہ منشی فرحت اللہ صاحب سے حاصل کرکے شائع کردیا، مقدمہ میں اس کا تذکرہ کردیا ہے۔
(مکتوب حکیم انیس احمد صدیقی بنام راقم الحروف)

اخلاف

شاہ اہل اللہ کے دو صاحب زادے تھے (۱) شاہ مقرب اللہ جن کا عرف میاں لہکو تھا (۲) معظم اللہ جن کا عرف مولوی محمدی تھا معظم اللہ کا عقد فاطمہ بنت شیخ محمد فائق بن شاہ محمد عاشق سے ہوا تھا ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی، (۱) محمد مکرم (۲) محمد محتشم (۳) امۃ العزیز (لاولد) ان میں سے محمد محتشم کا عقد امۃ الغفور بنت شاہ محمد اسحاق دہلوی سے ہوا تھا ان سے ایک بیٹے مولوی عبدالرحمٰن تھے، محمد محتشم شاہ محمد اسحاق کے ساتھ مکۂ معظمہ ہجرت کر گئے تھے مولوی عبدالرحمٰن سے مکۂ معظمہ میں مولانا عبیداللہ سندھی کی ملاقات ہوئی تھی مولانا سندھی نے انہی سے شاہ ولی اللہ کی کتاب المسویٰ شرح موطا کا مسودہ حاصل کرکے مکۂ معظمہ ہی میں طبع کروایا تھا۔

## تالیفات

**(۱) انفاس رحیمی:** شاہ صاحب کی پہلی تالیف ہے یہ ان کے والد شاہ عبدالرحیم کے خطوں کا مجموعہ ہے جو ۱۱۳۱ھ سے پہلے مرتب کرلیا گیا تھا اور والد کی نظر سے بھی گزر گیا تھا۔ یہ مجموعہ احمدی دہلی اور مطبع مجتبائی دہلی سے کئی بار شائع ہو چکا ہے۔

**(۲) تخریج احادیثِ ہدایہ:**

محسن ترہتی الیانع الجنی میں لکھتے ہیں:

**"وکان لولی اللہ اخ یسمی الشیخ اهل اللّٰه کان اهل اللّٰه واهل العلم بل لم یبلغنی من خبرہ فوق ان له کتاباً لطیفاً فی تخریج احادیث الهدایه رائیت وله الابواب الاربعة مختصرہ فیه کلماۃ جامعه بکثر نفعها"** [۲۱]

"شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی بھی تھے جن کا نام اہل اللہ تھا وہ اہل اللہ بھی تھے اور صاحب علم

بھی مجھے ان کے حالات کا اس سے زیادہ پتہ نہیں کہ انھوں نے ایک نفیس کتاب لکھی ہے جس میں ہدایہ کی احادیث کی تخریج کی ہے میں نے اس کتاب کو دیکھا ہے یہ ایک مختصر کتاب چہار باب ہے اس میں جامع کلمات ہیں جن کے بہت سے فوائد ہیں۔"

الیانع الجنی کے علاوہ اس کتاب کا اور کہیں تذکرہ دیکھنے میں نہیں آیا بہرحال تر ہتی نے دیکھی ہے اس لیے کتاب کے وجود میں شک ہی نہیں ہے۔

(۴) تلخیص ہدایہ

یہ اس مشہور کتاب کا خلاصہ ہے، خلاصہ اس طرح کیا ہے کہ فقہا کے مناقشات سے حتیٰ کہ صاحبین و امام اعظم کے اختلافات تک کا ذکر نہیں کیا صرف امام اعظم کے مسلک فقہی کو پیش کر دیا ہے اور اس کی تائید میں صحاح ستہ اور مستدرک حاکم کی احادیث نقل کی ہیں ان کی کتاب کا ایک مخطوطہ مولوی عبدالرشید مرحوم ابن مولانا یسین صاحب رائے بریلی کے پاس تھا اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ ملا عبدالقیوم محدث بڈھانوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، مولوی عبدالرشید کا بیان ہے کہ اس کتاب کا ایک مخطوطہ نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی اور ایک مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ میں اور ایک مخطوطہ مولانا عبدالعزیز میمنی کے ذخیرے میں ہے۔

(۵) اصول فقہ

ایک مختصر و مفید رسالہ ہے جو مولوی عبدالرشید مرحوم کے ذخیرے میں تھا، یہ رسالہ ان کے والد مولانا محمد یاسین نے بنگلور میں ایک قلمی رسالے سے نقل کیا تھا۔ [۲۲]

(۶) تفسیر قرآن

شاہ صاحب کی اس تفسیر کے دو مخطوطے عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ راجستھان ٹونک میں ہیں۔

(۱) نمبر ۱۹۸۱، اوراق ۱۲۶، سائز ۱۶x۲۴، زبان عربی

(۲) نمبر ۲/۱۳۲، اوراق ۱۲۲، زبان عربی [۲۳]

(۷) چہار باب

فارسی میں چار ابواب پر مشتمل ایک مفید رسالہ باب اول عقائد باب دوم اعمال باب سوم فضائل اعمال باب چہارم نصائح۔ یہ رسالہ پہلی بار ۱۲۵۸ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا پھر متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

(۸) کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ:

شاہ صاحب نے فقہ حنفی کی اس معتبر کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ تو اب تک طبع نہیں ہوا لیکن مولانا محمد احسن نانوتوی نے اس کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کر کے احسن المسائل کے نام سے شائع کیا تھا جو مطبع صدیقی بریلی سے ۱۲۸۴ھ میں شائع ہوا تھا پھر مطبع مجتبائی دہلی سے نظر ثانی شدہ ترجمہ اور مطبع قیومی کان پور سے ۱۹۱۹ع میں تیسری بار شائع ہوا۔[۴۴]

(۹) ترجمہ موجز القانون:

شاہ صاحب نے طب کی معروف درسی کتاب موجز القانون کا فارسی ترجمہ کیا تھا اور کئی ضروری مسائل جو مصنف (ابن سینا) سے رہ گئے تھے ان کیا اضافہ بھی کیا، کتاب کا مخطوطہ اجمل طبی کالج مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے میں ہے۔

(۱۰) تکملۂ یونانی، تکملۂ ہندی

ترجمہ موجز کے دو تکملے بھی شاہ صاحب نے اضافہ کئے ہیں۔ تکملۂ یونانی، تکملۂ ہندی، فرماتے ہیں کہ موجز کے ترجمہ فارسی سے فراغت کے بعد میں نے سوچا کہ نخن ہائے یونانی کو بھی جمع کر دوں۔ اس طرح تکملۂ ہندی کے آغاز میں فرماتے ہیں میں نے سوچا ادویہ ہندی بھی مرتب کر دوں۔ مولوی سیّد احمد نے اپنے مطبع احمدی سے دونوں تکملے شائع کر دیئے تھے۔

(۱۱) فوائد: بقول شاہ محمد عاشق اس رسالے میں معارف طریقت اور اسرار حقیقت بیان کئے گئے ہیں (القول الجلی)۔

(۱۲) قصیدہ: فارسی میں حضور اکرم ﷺ کے معجزات پر ایک طویل نظم (القول الجلی)
(۱۳) عقائد: عقائد پر ایک منظوم رسالہ (القول الجلی)

آخر میں شاہ صاحب کے چند نصائح ملاحظہ فرمائیں، یہ نصائح ان کی کتاب چہار باب کے باب چہارم سے نقل کیے گئے ہیں۔

''زندگانی چند روز ہست، بدانند کہ آخر گزشتنی است، از بہر دُنیا با کسے عداوت نگیرند و کسے راعیب نکنند و بدنگویند خصوصاً عیوب یک فرقہ خاص را علانیہ ذکر نکنند و تا توانند بر کسے حسد نبرند و دروغِ بے فائدہ بر زبان نیاورند و سخنِ بد کسے بہ کسے نرسانند و خود را از بخل وجبن تا توانند پاک گردانند و بر آنچہ رضائے اللہ تعالیٰ است راضی باشند و خود را بزرگ تریں و کلاں نشمارند و فخر و نخوت را در دل راہ ندہند و تا توانند در اصلاحِ عالم بکوشند و در، ہیچ کس نقیض و فساد نینداز ند و در اکل حلال و صدقِ مقال و استقامتِ احوال سعی کلّی نمایند کہ سر جمیع طاعات و رئیس جملہ عبادات است و از کلمۃ الخیر در حق خویش و بیگانہ باز نمانند و برامر معروف و نہی عن المنکر سعی بلیغ گمارند و اگر نتوانند بدل ناخوش دارند و خود مرتکبِ آن نشوند''

(نصیحت نمبر۴)

''دنیوی زندگی چند دن کی ہے خیال رکھیں کہ یہ آخر گزر جائے گی دنیا کے لیے کسی سے عداوت اور دشمنی نہ رکھیں اور کسی کا عیب نہ بیان کریں خصوصاً کسی خاص فرقے کا عیب بھری محفل میں نہ کہیں کسی سے حسد نہ کریں بے ضرورت غلط بات نہ کہیں، کسی کی راز کی بات کسی اور سے نہ کہیں جہاں تک ہو سکے خود کو کنجوسی اور بزدلی سے بچائیں اللہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو اس پر راضی رہیں خود کو بڑا نہ سمجھیں فخر اور نخوت کو دل میں جگہ نہ دیں جہاں تک ہو سکے اپنی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں کسی کو کسی سے نہ لڑائیں۔ اکل حلال، سچ بولنے اور راست روی کی پوری کوشش کریں اس لیے کہ یہی روح طاعات اور اصل عبادات ہے اپنے اور پرائے کے حق میں کلمہ خیر کہنے سے باز نہ رہیں اور اچھی باتوں پر اکسانے اور بری باتوں پر ٹوکنے کی

پوری کوشش کریں اور اگر یہ نہ کر سکیں تو کم سے کم برائی کو برائی سمجھتے رہیں اور کم سے کم خود ان برائیوں سے بچتے رہیں۔"

"ایامِ حیات وصحتِ خود را غنیمت شمارند بغیر ضرورتِ تمام در مہلکہ نیفتند اگر مریض شوند پیش طبیب حاذق بروند واختیار در دست او دہند و در تدبیر و دوا، وغذا، مخالفت نمایند و بے حضور خطائے فاحش طبیب دیگر نہ طلبند"

(نصیحت نمبر ۱۱)

"اپنی زندگی اور تندرستی کو غنیمت سمجھیں بغیر شدید ضرورت کے خطرے میں خود کو نہ ڈالیں، بیمار پڑیں تو تجربہ کار طبیب کے پاس جائیں اور اسی کے کہنے پر چلیں اور پرہیز اور دوا کے بارے میں اس کی ہدایت کی خلاف ورزی نہ کریں اور جب تک اپنے معالج سے کوئی بڑی غلطی نہ ہو جائے معالج نہ بدلیں۔"

"در شادی وغم وغصہ چناں فعلے نکنند کہ بار دیگر ندامت آں کشند و در وقت غضب عنانِ خود بگیرند چناں حرف سخت نہ گویند کہ اگر باہم موافقت شود خجلت ازاں کشند"

(نصیحت نمبر ۱۸)

"خوشی، رنج اور غصے کی حالت میں کوئی ایسا کام نہ کریں کہ دوسری بار اس کی شرمندگی اٹھانی پڑے اور غصے میں خود پر قابو رکھیں مقابل سے کوئی ایسی بات نہ کہیں کہ صلح ہو جائے تو شرمندگی ہو۔"

"در غنائے وافر وفقر مفرط تا توانند از اخلاق قدیم خود برنگردند و بر دولتِ خود چنداں نازند واز غربت وفقر خویش چنداں ننالند، کہ گردونِ گرداں است وجہانِ جہاں۔"

زرنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو
کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

(نصیحت ۲۵)

دولت کی ریل پیل میں اور تنگ دستی میں جہاں تک بس چلے اپنے پہلی کی عادات واطوار میں فرق نہ آنے دیں نہ اپنی دولت پر اترائیں نہ فقر میں اضافہ سے پست ہمت ہوں کہ آسمان گردش میں رہتا ہے اور زمانے میں انقلاب آتے رہتے ہیں۔

"رعایت آداب گفت وشنید ونشست وبرخاست ہر جا و ہر مکان ضرور و لازم است خصوصاً در مجالس عامہ کہ در مرعی داشتن آں جہد بلیغ نمایند ومحافظت تمام کنند کہ ہیچ کس سخن بے جا وحرکتِ لغو سرزد نشود ودر، ہیچ امرے مخالفت اہل مجلس روا ندارند و رعایتِ مرضی رئیس آں راازاہم ضروریات شمارند، واگر خود سالار مجلس باشند باحوال ہر کس موافق قدر او در تعظیم وتکریم رعایت کنند و بر ملا حرفے نگویند وفعلے نسازند کہ بر ہیچ کس او رئیس وخسیس گراں افتد"

(نصیحت ۱۷)

"ہر جگہ اور ہر مقام کے باہم گفت وشنید نشست وبرخاست کے آداب کا لحاظ ضرور کریں، خصوصاً عام مجلسوں میں ان باتوں کا لحاظ شدید ضروری ہے اور اس کا خاص خیال رکھیں کہ کسی شخص سے کوئی بیہودہ اور بری بات سرزد نہ ہونے پائے اور کسی بات میں شرکائے محفل کے مزاج کا خلاف کام نہ کریں اور صدر بزم کی خاطر داری کو اہم ترین ضرور سمجھیں اور اگر خود سر محفل ہوں تو ہر شخص کی طبیعت کے مطابق اس کی تعظیم وتکریم کا لحاظ رکھیں اور بے تامل کوئی ایسی بات نہ کہیں نہ کوئی ایسا کام کریں جو محفل کے خواص وعوام پر گراں گزرے۔"

"عقل وکیاست وفہم وفراست ہر چند امر جبلی است اما بکثرت تجربہ وصحبت عقلاء کسب علوم عقلیہ واستماع قصص ونصائح می افزائند پس باید کہ چناں کوشند کہ ہر روز قوائے عقلیہ خود را قوی می کردہ باشند وخود را بتکلیف وفکر از عقلاء گردانند ودر زمرۂ سفہاء نگزارند"

(نصیحت ۵)

"عقل، ہوشیاری اور سمجھ بوجھ اگرچہ پیدائشی جوہر ہیں لیکن یہ تجربات کی کثرت،

عقل مندوں کی صحبت اور علوم عقلیہ (منطق و فلسفہ) حاصل کرنے سے ترقی کر سکتے ہیں اور اس کو چاہیے کہ کوشش کرے کہ قوائے عقلیہ روز بروز ترقی کرتے جائیں اور کوشش اور چینک سے خود کو عقل مندوں میں شامل کرنا چاہیے، تاسمجھوں بدھوں کے گروہ میں شمار ہونے سے بچنا چاہیے۔"

## حواشی

۱۔ القول الجلی، ص ۵۲۳

۲۔ بوارق الولایت (انفاس العارفین) ص ۸۴ مطبع احمدی دہلی

۳۔ ایضاً ص ۸۵

۴۔ ملفوظات عزیزی، ص ۴۲ مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ

۵۔ ایضاً ص ۴۳

۶۔ القول الجلی، ص ۲۲

۷۔ ملفوظات عزیزی، ص ۱۴

۸۔ ایضاً ص ۱۴

۹۔ وہ کمرہ جس میں شاہ ولی اللہ کی ولادت ہوئی تھی ماضی قریب تک محفوظ و مقفل تھا سال میں ایک بار کھولا جاتا تھا ہم نے ۱۹۴۳ء اور ۱۹۵۱ء میں اس کی زیارت کی تھی۔

۱۰۔ الیانع الجنی (محسن ترہتی) ص ۹۴

۱۱۔ تحفۂ ہندی، ص ۶۸

۱۲۔ بوارق، ص ۳۵۸

۱۳۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، ص ۳۱

۱۴۔ شاہ ابوسعید رائے بریلوی

۱۵۔ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ جون ۱۹۶۵ء

۱۶۔ "درگاہ" ایک احاطے کا نام تھا جس میں چار مزار ہیں ایک شاہ محمد عاشق کا دوسرا شاہ محمد فائق کا، تیسرا بقول عام شاہ محمد عمر بن شاہ اہل اللہ کا چوتھے کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔

۱۷۔ انفاس العارفین، ص ۴۰ و الدر الثمین ص ۶

۱۸ القول الجلی ص ۴۷
۱۹ الیوارق المحمدیہ ص ۱۰۶
۲۰ حکیم انیس احمد صدیقی (پھلت) کا بیان ہے کہ طول تقریباً ۷ گز ہے۔
۲۱ الیانع الجنی ص ۹۴
۲۲ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک، معارف اعظم گڑھ جلد ۶۱ شمارہ ۲
۲۳ خزینہ مخطوطات جلد اول، مولانا محمد عمران خاں
۲۴ ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' از پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء

# شاہ محمد عاشق پھلتی

## شاہ ولی اللہ کے خلیفۂ اعظم

شاہ محمد عاشق کے شاہ ولی اللہ سے کئی رشتے اور تعلق تھے۔ وہ شاہ صاحب کے ممیرے بھائی، نسبتی بھائی، سمدھی، رفیق طفلی، شریک درس، شاگرد، مسترشد اور خلیفہ تھے۔ شاہ محمد عاشق کے والد شیخ عبید اللہ تھے جو شاہ ولی اللہ کے سسر تھے اور دادا شیخ محمد تھے وہ شاہ عبد الرحیم کے سسر تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے نانا شیخ محمد کے حالات پر ایک رسالہ العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ لکھا ہے جو ان کی کتاب انفاس العارفین کے ابواب میں سے ایک ہے (۱۶۹۔۱۷۸ مطبع احمدی دہلی) یہی کتاب شاہ محمد عاشق کے اسلاف کے متعلق ہمارا واحد مآخذ ہے۔ اخلاف کے متعلق ہم اس خاندان کے موجودہ ارکان کی زبانی روایات اور جس کتابی ماخذ کی بنا پر جو کچھ بیان کریں گے برمحل حوالہ دیں گے۔

شاہ محمد عاشق کے اسلاف نسلاً صدیقی تھے اور کسی زمانے میں حجاز سے برعظیم کے علاقے پورب میں بلدہ سدھور میں مقیم ہو گئے تھے ان میں سے ایک بزرگ شیخ احمد بن یوسف کی رسائی سلطان سکندر لودھی (ف ۱۵۱۶ء) کے دربار تک ہوئی اور سادات بارہہ کے علاقے میں چند گاؤں جاگیریں ملیں تو یہ خاندان پورب سے نواح دہلی میں منتقل ہو گیا اور پھلت مرکز قرار پایا جو یوپی کے ضلع مظفر نگر قصبہ کھتولی کا ایک قریہ ہے اور دہلی سے اس کی مسافت ساٹھ میل ہے۔

### شیخ محمد

شیخ احمد یوسف کے بھائی شیخ محمود کی پانچویں پشت میں محمد عاقل بن ابی الفضل بن ابی الفتح بن شیخ فرید بن محمود بن یوسف ایک عالم اور صاحب دل بزرگ تھے ان کے بڑے صاحب زادے کا نام شیخ محمد تھا۔ شیخ محمد نے ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل

کرنے کے لیے دہلی کا رخ کیا اور شاہ ابوالرضا محمد (ف ۱۱۰۰ھ) سے کچھ دن مستفید ہوئے اور پھر شاہ عبدالرحیم کے دامان کمال وارشاد سے وابستہ ہوگئے اور آخر تحصیل علوم اور تربیت باطن سے فراغت حاصل کی اس کے بعد ایک طویل سفر پر روانہ ہوگئے اور مختلف ومتعدد ممالک اسلامیہ کا سفر کر کے وطن واپس ہوئے اور درس وارشاد میں صرف اوقات کرنے لگے ۱۱۲۵ھ میں پھلت میں وفات پائی۔

آپ کی ایک صاحب زادی اور دو صاحب زادے تھے صاحب زادی کا نام فخر النسا[1] تھا اور وہ شاہ عبدالرحیم کی دوسری اہلیہ اور شاہ ولی اللہ کی والدہ تھیں، شاہ عبدالرحیم نے ایک بشارت کی بنا پر جب باون سال کی عمر میں دوسرا عقد کرنا چاہا اور شیخ محمد کو اس بشارت اور ارادے کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی لخت جگر کی پیش کش کی اور شاہ صاحب کا عقد ہوگیا۔ بشارت کے مطابق ان کے بطن سے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ جیسے نامور صاحب کمال فرزند پیدا ہوئے۔

شیخ محمد کے دو صاحب زادے تھے شیخ عبیداللہ اور شیخ حبیب اللہ۔

## شیخ عبیداللہ

شیخ محمد کا بیان ہے کہ ایک روز باری تعالے نے ایک شناسا کی شکل میں تجلی فرمائی جو گویا ایک بچے کی انگلی پکڑے ہوئے میری طرف آرہا ہے اور میرے قریب آکر فرمایا محمد! یہ بچہ تیرے گھر میں پیدا کرتا ہوں میں نے عرض کیا اے اللہ تیری مخلوق ہے جس گھر میں چاہے پیدا فرما۔ اس کے چند دن بعد شیخ عبیداللہ کی ولادت ہوئی، شیخ عبیداللہ نے اپنے والد سے تحصیل علوم کی اور ۱۱۴۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ نے سفر حجاز کیا تو یہ بھی ان کے ساتھ تھے اور شاہ صاحب نے جن جن شیوخ حجاز سے استفادہ کیا شیخ عبیداللہ بھی ان کے ساتھ تھے چنانچہ شیخ ابوطاہر بن ابراہیم کردی نے شاہ صاحب کو صحیح بخاری کی جو سند عطا فرمائی تھی اس میں شیخ عبیداللہ کا بھی نام درج[2] تھا۔ ۱۱۴۵ھ میں حج وزیارت کے بعد وطن واپس ہوئے اور ۱۱۵۰ھ میں وصال فرمایا، شیخ عبیداللہ کے ایک صاحب زادے شاہ محمد عاشق اور ایک صاحب زادی فاطمہ تھیں فاطمہ سے شاہ ولی اللہ کی شادی ہوئی تھی جن سے ایک صاحب زادے شاہ محمد اور دو صاحب زادیاں امۃ العزیز اور صالحہ ہوئیں۔

## شاہ محمد عاشق

ولادت ۱۱۱۰ھ قرآن مجید اور نصاب صبیاں اپنے نانا شیخ عبدالوہاب سے پڑھا میزان الصرف اور نصف بوستان سعدی اپنے دادا شیخ محمد سے پڑھیں پھر معقول و منقول کی عام درسی کتابیں شرح مواقف تک اپنے والد شیخ عبداللہ سے پڑھیں البتہ کافیہ اور شرح ملا جامی اپنے چچا شیخ حبیب اللہ سے پڑھیں پھر دہلی پہنچے اور شاہ ولی اللہ سے شرح تجرید مع حاشیہ قدیمہ و شمس بازغہ و محکم الاصول، افق المبین اور کسی قدر صحیح مسلم کا درس لیا، صحیح بخاری اور دارمی کا درس مکہ معظمہ میں لیا۔

دہلی میں شاہ صاحب کا گھرانا ان کے لیے اجنبی نہیں تھا، شاہ عبدالرحیم کی اہلیہ ان کی پھوپھی اور شاہ ولی اللہ کی اہلیہ ان کی چہیتی بہن تھیں شاہ محمد عاشق اگرچہ شاہ ولی اللہ سے چار سال بڑے تھے مگر دونوں میں باہم محبت تھی، شاہ عبدالرحیم اس محبت سے بہت خوش تھے۔

''روزے در اواخر ایام خود بایں فقیر و صلاح آثار محمد عاشق اشارت کرد فرمودند کہ با یک دگر بسیار دوستی دارند وایں دوستی سبب ابتہاج و سرور من می شود وسرایں کلمہ من بعد بظہور پیوست کہ ایں عزیز بایں فقیر ارتباط طریقہ پیدا کردہ منتفع شد وامید است کہ ایں دوستی مثمر فوائد بسیار باشد''

''شاہ عبدالرحیم نے اپنی زندگی کی آخری دنوں میں ایک بار میری اور محمد عاشق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان دونوں کی آپس میں گہری دوستی ہے اور اس دوستی سے مجھے بہت خوشی ہوتی ہے، والد مرحوم کی اس بات کا راز بعد میں کھلا کہ محمد عاشق نے خاکسار سے بیعت کی اور نفع حاصل کیا امید ہے کہ یہ دوستی بہت سے فوائد پر منتج ہو گی''۔

شاہ ولی اللہ جب ۱۱۴۳ھ میں حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے تو شاہ محمد عاشق اور ان کے والد شیخ عبید اللہ بھی ہم راہ تھے۔ چنانچہ شیخ ابو طاہر کردی نے روایت حدیث کا جو اجازہ ۲۲ر رجب ۱۱۴۴ھ کو لکھ کر دیا تھا اس میں لکھتے ہیں:[۵]

وكان ختمه بحضرة جماعة من الفضلاء منهم خاله المراقب في الله الشيخ عبيدالله وابن خاله المذكور الاريب مراة كماله وخدين جميل خصاله الذى لم يزل لسانه بذكره الله الواثق بالصمدالخالق مولانا محمد عاشق صانه

اللّٰـه مـن البـوائق ورفاه اللّٰه على مراتب الكمال وصرف عنه كل فائق .........
وسمع على الامم..............

............بقراءة ابن خاله الشيخ محمدعاشق ............

...اجزت لسيّدنـا الشيـخ ولـى اللّٰـه المذكور وخـالـه وابن خـالـه
الممجدين فى اعلىٰ الستور

صحیح بخاری کی قرآت وسماعت کا ختم کئی فضلاء کے سامنے ہوا جن میں سے ایک شاہ صاحب کے ماموں شیخ عبیداللہ اور شیخ عبیداللہ کے صاحب زادے مولانا محمد عاشق بھی ہیں۔

شاہ صاحب نے مجھ سے میرے والد کا ثبت الامم سنا کتاب کی قرات ان کے میرے بھائی شیخ محمد عاشق نے کی۔

میں نے شاہ صاحب، ان کے ماموں اور میرے بھائی کو روایت حدیث کی اجازت دی۔

اخذ فیض، حصول اجازت ادائے فریضۂ حج اور سعادت زیارت سے شرف اندوز ہونے کے بعد یہ کارواں فضل وتقویٰ دیار نبی سے رخصت ہو کر ۱۴ ر رجب ۱۱۴۵ھ کو دہلی پہنچا۔

شاہ محمد عاشق کا وصال ۱۱۸۷ھ[۶] میں ہوا مزار پھلت میں ایک احاطے کے اندر ہے جو خانقاہ شاہ محمد عاشق کہلاتا ہے اس میں چار مزار ہیں:

(۱) شاہ محمد عاشق

(۲) شاہ عبدالرحیم فائق

(۳) تیسرا مزار شاہ محمد عمر بن شاہ اہل اللہ کا بتایا گیا ہے، شاہ اہل اللہ کے محمد عمر نام کے کوئی فرزند نہیں تھے۔

(۴) چوتھے مزار کی تحقیق نہیں ہو سکی۔

## اخلاف

شاہ محمد عاشق کے دو صاحب زادے اور ایک لڑکی ذاکرہ تھیں[۷]۔ شاہ عبدالرحمٰن شاہ عبدالرحیم فائق۔

شاہ عبدالرحمٰن بڑے صاحب زادے تھے خیال ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے علاوہ شاہ ولی اللہ سے بھی تحصیل علم کی ہوگی شاہ ولی اللہ اپنے ایک عربی مکتوب میں شاہ محمد عاشق کے نام لکھتے ہیں [۵]۔

**" قدوصل الولد العزیز عبدالرحمٰن مع اولادہ بالخیر والعافیہ وقدٔ تلقیناہ تلقیناً حسناً وقرء علی من کتاب الفوزالکبیر شیئناً وعسی ان یقرء علی ھذا النمط حتی یختم ان شاء اللّٰہ تعالیٰ"**

" عزیزم عبدالرحمٰن اوران کے اہل عیال یہاں بخیر وعافیت پہنچے اور ہم نے ان سے اچھی طرح ملاقات کی اور انھوں نے مجھ سے کتاب فوزالکبیر کا کچھ حصہ پڑھا امید ہے کہ اسی طرح پڑھ کر یہ کتاب ختم کرلیں گے ان شاءاللہ تعالیٰ۔"

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحمٰن اس وقت تعلیم سے فارغ ہوچکے تھے اور صاحب اہل وعیال ہوچکے تھے اور ملاقات کے لیے دہلی پہنچے تو شاہ صاحب نے اپنی تازہ تالیف الفوزالکبیر پڑھانی شروع کردی۔

شاہ عبدالرحمٰن کا ایک اہم کارنامہ شاہ ولی اللہ کے مکاتیب کی جمع وتدوین ہے یہ مجموعہ انھوں نے شاہ صاحب کی حیات ہی میں مرتب کرلیا تھا جو ۲۷۰ مکاتیب پر مشتمل ہے۔ اس کا دوسرا حصہ ان کی وفات کے بعد ان کے والد شاہ محمد عاشق نے مرتب کیا تھا جس میں ۷۷ مکاتیب ہیں، ان میں سے سیاسی نوعیت کے مکاتیب خلیق احمد نظامی نے سیاسی مکاتیب کے نام سے عرصہ ہوا شائع کردیئے تھے، اب یہ مکمل مجموعہ دو حصوں میں مولانا نسیم احمد فریدی کا مرتبہ اور مترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اپنے مقدمہ کے ساتھ نادر مکتوبات کے نام سے شائع کردیا ہے۔

شاہ عبدالرحمٰن کا ۱۱۶۹ھ میں نوعمری میں وصال ہوگیا تھا شاہ ولی اللہ کو اس حادثے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے شاہ محمد عاشق کے نام تعزیت نامے میں تحریر فرمایا۔

"خبر وحشت اثر رسید ندانم کہ در برابر آں چہ نویسم زیرا کہ حادثہ واقع شدہ است کہ در عالم بشریت حادثہ شدید تر ازاں نمی باشد"

شاہ عبدالرحمٰن کا عقد شاہ ولی اللہ کی دختر امۃ العزیز عرف مسیتی (ولادت ۱۱۳۹ھ) سے ہوا تھا۔

شاہ عبدالرحمٰن کے دو بیٹے تھے ابوالفضل اور ثناء اللہ، ابوالفضل کے بیٹے کا نام ابوالفرح اور ان کے بیٹے کا نام ابوالفتح تھا۔ ثناء اللہ کے دو بیٹے تھے محمد عثمان اور محمد یوسف، محمد یوسف کی لڑکی کا نام اللہ بندی تھا[9]۔

شاہ عبدالرحیم فائق کا عقد فرخ بنت شاہ ولی اللہ سے ہوا تھا ان کے تین صاحب زادے اور ایک لڑکی تھی۔ محمد صادق، محمد معصوم، عبدالسلام اور فاطمہ۔ اول الذکر دولا ولد رہے۔

فاطمہ کا عقد شاہ معظم اللہ فرزند شاہ اہل اللہ سے ہوا تھا۔ عبدالسلام کا قیام دہلی میں خانقاہ عزیزیہ میں رہا ان کے صرف ایک صاحب زادے تھے شاہ محمد زکریا ان کا عقد مولانا نواب قطب الدین خاں کی بہن بادشاہ بیگم سے ہوا تھا ان کے اخلاف کا شجرہ (دیکھیں ص ۱۳۵)

## تلامذہ و مریدین

شاہ ولی اللہ نے اپنے پیش نظر عظیم مقاصد کی خاطر منصوبہ بندی کی تھی انھوں نے ابتداء درس پر توجہ دی اور محنت کر کے مختلف فنون کے متخصص علما کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو ان کی اعانت و نیابت کر سکے اور اس کے بعد تدریس کے فرائض اس جماعت کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

شاہ محمد عاشق اس گروہ کی جان اور اس جماعت کے بڑے ممتاز فرد تھے جو نہ صرف شاہ ولی اللہ کی بہترین صلاحیتوں سے متمتع ہوئے بلکہ مختلف اساتذہ وقت سے استفادے میں ان کے رفیق بھی رہے تھے چنانچہ وہ پھلت اور دہلی میں درس وافادہ کے فرائض انجام دیتے رہے تھے ان کے بڑے ممتاز شاگرد تو شاہ ولی اللہ کے پانچوں فرزند تھے سب سے بڑے صاحب زادے شیخ محمد جو اپنی ننھیال (پھلت) میں سکونت پذیر تھے یقیناً شاہ محمد عاشق کے زیر درس و تربیت رہے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کو سب سے زیادہ اعتماد اس بات پر ہوگا کہ پھلت میں شیخ محمد کے حقیقی ماموں شاہ محمد عاشق ہیں پھر جب ۴۵ سال کی عمر میں ان کے بھائی شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے تو ظاہر ہے کہ ان

کی تعلیم کی ابتدائی مراحل بھی شاہ محمد عاشق نے طے کرائے ہوں گے۔ متوسطات کی تعلیم شاہ ولی اللہ نے ہی دی لیکن تعلیم کی تکمیل سے پہلے ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو فاتحہ فراغ انھوں نے شاہ محمد عاشق سے ہی پڑھا اور اجازت بھی انھی سے لی [۱۰]۔ شاہ رفیع الدین جو والد کی وفات کے وقت ۱۴ سال کے تھے اور میبذی پڑھتے تھے شاہ عبدالقادر نو سال کے اور صرف میر پڑھتے تھے۔ شاہ عبدالغنی جو پانچ سال کے تھے اور قرآن کریم حفظ کر رہے تھے ان سب نے شاہ محمد عاشق سے درسیات پڑھیں۔ خود ان کے فرزندان گرامی نے ان سے تحصیل علم کی ہوگی پھلت کے کئی گم نام علما ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوں گے۔

ان حضرات کے ساتھ قاعدے کے مطابق طلبہ کی ایک جماعت ہوتی ہوگی اگرچہ ان میں سے چند کے ناموں کا علم ہو سکا۔

ان کے مشغلہ تدریس کا ایک ثبوت شاہ عبدالعزیز کا یہ بیان [۱۱] ہے کہ

وہ ایک روز:

''شاگردے را بکمال دقت می خواندند و نسبت در عین اشتغال ملاحظہ کردم در غایت جوشش بود،

''ایک شاگرد کو بڑی توجہ سے پڑھا رہے تھے مگر میں نے محسوس کیا کہ اس مشغولیت کے دوران بھی نسبت پوری طرح جوش میں تھی۔''

تدریس کے ساتھ وہ ارشاد و تزکیہ باطن کے فرائض بھی انجام دیتے ہوں گے وہ شاہ ولی اللہ کے ''اجل خلفا'' تھے خود شاہ صاحب کی حیات میں اپنے نواح کے طالبان تربیت کی طرف توجہ فرماتے ہوں گے پھر ان کے فضل و کمال اور زہد و تقویٰ کا شہرہ دور دور پہنچا ہوگا اس لئے دور دور سے احتیاج مند ان کی طرف رجوع کرتے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کے وصال کے بعد خصوصاً شاہ عبدالعزیز کی نوعمری تک شاہ صاحب کے متوسلین بھی انھی کی طرف رجوع کرتے ہوں گے چنانچہ تکیہ رائے بریلی کے میر ابو سعید نے انھی سے اجازت و خلافت حاصل کی تھی ہم کسی جگہ شاہ عاشق کی وہ تحریر نقل کریں گے جو انھوں نے میر ابو سعید کو بطور اجازہ لکھ کر دی تھی اسی طرح خود شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے شاہ رفیع الدین نے شاہ محمد عاشق ہی سے بیعت کی تھی [۱۲] ہاں شاہ عبدالقادر شاہ

عبدالعدل دہلوی سے بیعت تھے البتہ شاہ عبدالغنی ممکن ہے نہ ہوئے ہوں اس لیے کہ ان کے بلوغ تک شاہ عبدالعزیز عمر کی اس منزل میں آ گئے تھے کہ ان کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا تھا۔

حواشی:

۱۔ القول الجلی ص ۹

۲۔ اتحاف النبیہ ما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ، ص ۱۸۔۱۹ طبع لاہور

۳۔ القول الجلی، ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶

۴۔ الجزء اللطیف، ص ۱۹۴ مطبع احمدی دہلی۔

۵۔ اتحاف النبیہ، ص ۱۸

۶۔ مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام ابوسعید رائے بریلوی، ماہنامہ، الفرقان لکھنو

۷۔ ذخیرہ قیوم منزل بھوپال۔

۸۔ نادر مکتوبات، جلد دوم ص ۶۳

۹۔ ذخیرہ قیوم منزل بھوپال

۱۰۔ عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ شاہ عبدالعزیز/ مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی ۱۸ و مقالات طریقت ص ۱۸

۱۱۔ ملفوظات عزیزی، ص ۱۸

۱۲۔ مقالات طریقت، ص ۱۸

۱۳۔ فتاوی عزیزی، ص ۱۸۲ مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

۱۴۔ مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک، ۱۲۸۴ھ

۱۵۔ ارشاد محمدی، ص ۱۵ محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸

۱۶۔ فہرست کتب خانہ رام پور، ص ۶۹۹ مرتبہ احمد علی خاں شوق

۱۷۔ فتاوی عزیزی، ص ۱۸۱

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ

شاہ محمد عاشق
عبدالرحیم فائق
عبدالرحمٰن
ذاکرہ
محمد صادق محمد صالح
فاطمہ
عبدالسلام
ثناءاللہ
ابوالفضل
ابوالفرح
محمد یوسف
محمد عثمان
اللہ بندی
ابوالفتح
محمد زکریا
حافظ منے
میاں جان
عبدالوہاب
محمد عاشق
محمد لطیف
محمد صادق
محمد عیسیٰ
شعیب
احمد شاہ
محمد شاہ
امۃ الحفیظ
محمد انور
محمد جعفر
محمد نسیم
محمد شمیم
محمود
مسعود
محمد مکرم
محمد محتشم
امۃ العزیز
لاولد
لاولد
عبدالرحمٰن
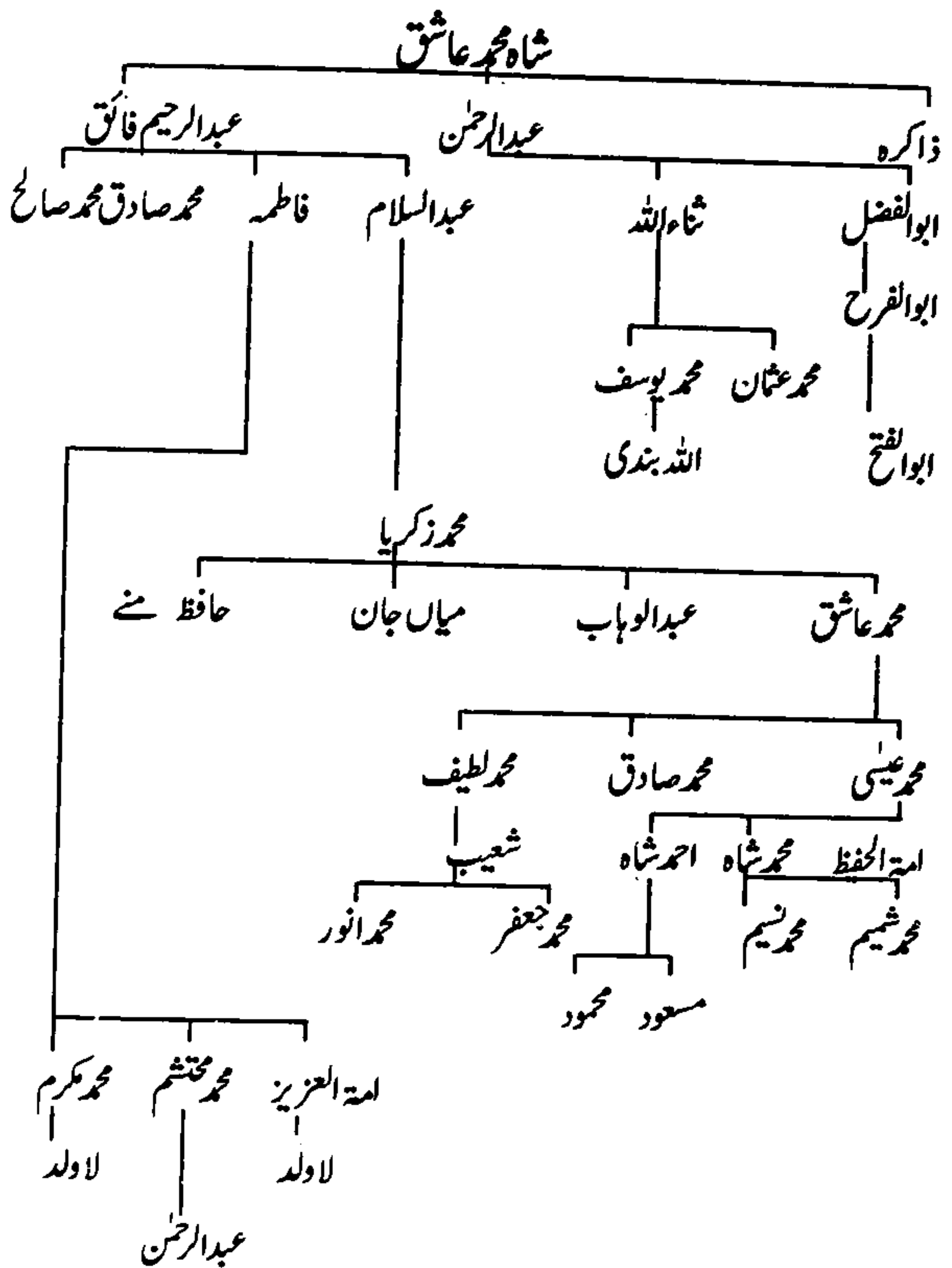
# تصانیف وتالیفات

## القول الجلی

شاہ محمد عاشق کی تصانیف میں سرفہرست ان کی کتاب حیات شاہ ولی اللہ القول الجلی ہے جو نہ صرف اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ براعظم کی ایک عظیم شخصیت کی سوانح حیات اور اس موضوع پر اولین ماخذ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ سوانح اس فرد کی تصنیف ہے جو شاہ صاحب کے کمالات وفضائل کا وارث اور امین تھا ان کی زندگی کا ہر دور جس کی نظر میں تھا اُن کے اصلاحی وتجدیدی کارناموں پر جس کی نظر سب سے زیادہ وسیع تھی جو ان کی تجویزوں، آرزووں، حسرتوں اور ان کی تمناؤں کا راز داں تھا جو ان کی بیش تر تالیفات کا ''سبب تالیف'' تھا اور ان کی اکثر تحریروں کا اولین مخاطب تھا۔

کتاب خود شاہ صاحب کی زندگی میں مرتب ہوگئی تھی چنانچہ خود شاہ صاحب نے الجزء اللطیف میں اس کتاب کے مندرجات کی تصویب کی ہے۔

شاہ صاحب کے سوانح اور ان کے علوم ومعارف پر اتنی اہم دستاویز عرصے سے نایاب تھی۔نواب صدیق حسن خاں اور مولوی رحمان علی اور مولوی سید احمد ولی اللّٰہی کے پیش نظر رہی تھی، ان میں پہلے دونوں حضرات نے تو اس کا ذکر کیا ہے مگر مولوی سید احمد نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا مگر جس نے بھی ان کی تمام تحریریں پڑھی ہیں اسے اندازہ ہوگا کہ یہ کتاب یقیناً ان کے پیش نظر رہی ہے ان حضرات کے بعد پھر کسی مورخ نے بھی اس کا حوالہ دیا نہ اس کے مطالعہ کا ذکر کیا۔

ہم نے اس کتاب پر مفصل مضمون لکھا ہے جو کتاب میں شامل ہے اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

## مکاتیب شاہ

شاہ محمد عاشق نے سلسلے کی ایک اہم خدمت یہ انجام دی کہ انھوں نے جہاں شاہ صاحب کی دوسری تحریریں محفوظ و مرتب کیں وہاں ان کے ہر نوع مکاتیب کے جمع اور محفوظ کرنے کا بھی اہتمام کیا خواہ وہ دینی نوعیت کے ہوں یا محض ذاتی یا سیاسی۔ یہ کام انھوں نے شاہ صاحب کی زندگی ہی میں شروع کر دیا تھا ابتداءً انھوں نے یہ کام اپنے بیٹے شاہ عبدالرحمٰن کے سپرد کیا تھا جنھوں نے اپنی وفات ۱۱۶۸ھ تک مکاتیب شاہ جمع کیے اور ۲۸۱ مکاتیب جمع کر لیے تھے ان کی وفات کے بعد یہ کام شاہ محمد عاشق نے خود سنبھالا اور مزید ۷۷ مکاتیب جمع کر کے ۳۵۸ مکاتیب کا مجموعہ مرتب کر دیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے ممکن ہے شاہ صاحب سے بھی نقول حاصل کی ہوں اور مکتوب الیہم سے بھی چنانچہ شاہ ابوسعید رائے بریلوی کے نام ایک خط کا اختتام اس طرح کرتے ہیں۔

> ''دیگر التماس آں کہ خطے کہ حضرت میاں صاحب بایشان نوشتند نقل آں برداشتہ بایں فقیر عنایت فرمایند و ہم چنیں نقل خطوط سابقہ نیز مرحمت فرمایند و دریں باب ہرگز تغافل تجویز نہ نمایند''
>
> ''ایک اور گزارش یہ ہے کہ حضرت میاں صاحب نے جو خط آپ کو لکھا ہے اس کی نقل کر کے مجھے بھیج دیں اس طرح سابقہ خطوں کی نقلیں بھی بھیجیں اس بارے میں غفلت ہرگز نہ کریں۔''

اس مجموعہ مکاتیب کا صرف ایک مخطوطہ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری۔ کے کتب خانے میں تھا جس پر مولانا نسیم احمد فریدی جیسے زیدہ ور کی نظر پڑ گئی انھوں نے ان کو نقل کیا اور ترجمہ کیا اور پہلے تو ان مکاتیب میں سے سیاسی خطوط منتخب کر کے اپنے خواہرزادے جناب خلیق احمد نظامی کو دیئے جنھوں نے ایک مقدمے کے ساتھ اسے شاہ ولی اللہ کے سیاسی خطوط کے نام سے شائع کیا پھر یہ مکمل مجموعہ مولانا مرحوم کے برادرزادے نامور محقق جناب نثار احمد فاروقی نے اپنے مفصل مقدمے کے ساتھ نادر مکتوبات کے نام سے شائع فرما دیا۔

## سبیل الرشاد

سبیل الرشاد لاہل المحبۃ والوداد، اس کتاب کے کسی مخطوطے کا بھی علم نہیں ہے، حسن اتفاق سے اس کا تفصیلی ذکر شاہ عبدالعزیز نے فرمایا ہے ایک صاحب نے درود اور سیّد الاستغفار کے متعلق دریافت کیا تھا اس کے جواب میں سیّد الاستغفار کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

"سیّد الاستغفار در کتاب سبیل الرشاد مذکور است وتمام آں جواہر نفیسہ ست ۔۔۔ وآں کتاب گویا خلاصۂ سلوک خاندان ماست خصوصاً فوائد سلوکیہ از حضرت والد ماسوے طالبان ومریداں فیضان نمودہ درآں مجموعہ مندرج ست حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہ کہ اجل خلفاء حضرت والد ماجد بودند آں را تالیف فرمودہ اند بقدر شش جز باشد"

"سیّد الاستغفار کتاب سبیل الرشاد میں مذکور ہے اس کتاب میں نفیس جواہر ہیں ۔۔۔ اس کتاب میں گویا ہمارے خاندان کے سلوک کا خلاصہ آگیا ہے خصوصاً میرے والد ماجد نے سلوک کے جو قاعدے مریدوں اور طالب علموں پر فیضان کر دیے ہیں اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہ جو میرے والد ماجد کے اجل خلفا تھے انھوں نے یہ کتاب تالیف کی ہے حجم چھے جز کے بقدر ہوگا"

پیر مرتضیٰ خان رام پوری (خلیفہ سیّد احمد شہید) نے اپنی کتاب دافع الفساد ونافع العباد کے مقدمے میں اپنے ماخذ میں سبیل الرشاد کا نام بھی لکھا ہے اور تین مقامات پر ایک ہی عبارت کا اردو ترجمہ دیا ہے چوں کہ اس کتاب کی کسی عبارت کا کوئی اقتباس یا ترجمہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا اس لیے تبرکاً یہ ترجمہ نقل کرتے ہیں۔[۱۴]

شیخ محمد عاشق پھلتی کہ خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے تھے اپنے رسالے سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں "جو کوئی شخص یا اللہ یا اللہ یا اللہ اپنی زبان سے پڑھے اور ملاحظہ

کرے پڑھنے کے وقت میں کہ ایک نور اس کے منہ سے باہر آتا ہے یعنی پڑھنے والے کے، جب قریب تین لاکھ کے پورے کرے اس شخص کے تئیں ایک مناسبت ساتھ حقیقت اس اسم کی کہ بیچ عالم ملکوت کے جگہ پکڑنے والی ہے ظاہر ہوتی ہے۔"

شیخ محمد تھانوی اپنی کتاب ارشاد محمدی میں درود شریف **اللھم صلی علی من منه انشقت الاسرار** کے ورد کے متعلق لکھتے ہیں:[۱۵]

"اس کا ورد کرنا بہت فائدہ رکھتا ہے خصوصاً پڑھنا صبح وشام اول مرتبہ تین تین بار صبح وشام اور پچھلے کو حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی علیہ الرحمتہ نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے اور فقیر کا مجرب ہے"

## تقریر خیر کثیر

شاہ ولی اللہ کی معروف تصنیف الخیر الکثیر پر شاہ محمد عاشق نے ایک حاشیہ لکھا تھا جس کے خطبے میں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب شاہ صاحب نے انھیں پڑھائی تھی اور دوران درس جو تفصیل وتشریح حضرت مصنف فرماتے تھے میں اس کو لکھتا جاتا تھا یہی مجموعہ تقریرات مرتب کر کے کتاب کا حاشیہ قرار دیا"

اس حاشیہ کا مخطوطہ رضا لائبریری رام پور میں ہے۔[۱۶] ص ۸۸

## شرح دعاء الاعتصام من تعلیم ولی الانعام

شاہ ولی اللہ کی متعدد گم شدہ تصانیف کی طرح ان کی ایک کتاب الاعتصام الامین ہے، شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے[۱۷] کہ والد بزرگ فقیر دعا موسوم اعتصام تصنیف نمودہ اند بزبان عربی، اس کتاب کی شرح شاہ محمد عاشق نے لکھی تھی افسوس کہ یہ کتاب بھی نایاب ہے شاہ عبدالعزیز سے مرزا حسن علی لکھنوی نے دریافت کیا تھا کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ غیر انبیا معصوم نہیں ہوتے مگر شاہ ولی اللہ نے تفہیمات الہیہ میں اور آپ نے ایک رسالے میں صفات اربعہ حکمت، غفلت، وجاہت اور قطبیت باطنہ کا اطلاق ائمہ اثنا عشر پر کیا ہے اس تخالف کی کیا توجیہہ ہے اس کے جواب میں شاہ صاحب[۱۸] نے لکھا ہے:

''نزد صوفیا معانی اصطلاحیہ اند خصوصاً در کتب مصنفہ حضرت والا ماجد قدس سرہ مفصل مذکورند۔۔۔۔۔۔شرح اعتصام از تصانیف شاہ محمد عاشق پھلتی قدس سرہ اگر بہم رسد وافی کافی ست''

''صوفیا کے ہاں اصطلاحی معنی ہوتے ہیں جو خصوصاً والد ماجد کی تصانیف میں مفصل مذکور ہیں۔۔۔۔۔۔شرح اعتصام شاہ محمد عاشق پھلتی قدس سرہ کی تصنیف ہے اگر حاصل ہو سکے تو اس باب میں وافی وکافی ہے''

شاہ عزیز کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اصطلاحات صوفیہ کے معانی ومفاہیم پر بھی اس کتاب میں عالمانہ ومحققانہ گفتگو کی گئی ہے۔

اس کتاب شرح دعاء اعتصام پر شاہ ولی اللہ نے ایک تقریظ منظوم لکھی تھی۔

لسنک ما ارضیت ذروۃ حقہ
من الفحص و التفتیش و الفہم و الفکر
وبحثک عن طے العلوم و نشرھا
ونظمک اصناف الجواھر و الدرر
وحفظک للرمز الخفی مکانتہ
و خوضک بحراً زاخراً ای بحر
للہ ما اوتیت من حُلل المنی
و للہ ما اعطیت من عظم الفخر

کشف الحجاب عن رموز فاتحۃ الکتاب

درایات الاسرار

ان دو کتابوں کا ذکر خود شاہ محمد عاشق نے القول الجلی میں فرمایا ہے مگر افسوس ہے کہ اس ذکر کے سوا ہمارے سرمایۂ علم میں اور کچھ نہیں ہے۔

# متفرق تحریریں

## مقدمہ الخیر الکثیر

خیر کثیر کا جو مخطوطہ ہمارے ذخیرے (برکات اکیڈمی) میں ہے اس کے آغاز میں شاہ محمد عاشق کا ایک مقدمہ ہے، جو دوسرے مخطوطات میں ہمارے علم کی حد تک نہیں ہے کئی لحاظ سے اہم ہے۔

اولاً شاہ محمد عاشق کی ایک نایاب تحریر ہے۔

ثانیاً اس سے شاہ ولی اللہ کی ذات سے ان کی شیفتگی اور ادبیات شاہ سے ان کے شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

ثالثاً شاہ ولی اللہ کی بعض تالیفات کے عہد تالیف کا تعین ہوتا ہے۔

رابعاً یہ بھی علم میں آتا ہے کہ شاہ صاحب کے تحریری کاموں کے سرانجام پانے میں شاہ محمد عاشق کا کتنا ہاتھ ہے اور ان کا تعاون شاہ صاحب کو حاصل نہ ہوتا تو ادبیات شاہ اس شکل میں ہمارے سامنے نہ ہوتے۔

ذیل میں متن کو حذف کر کے اس کا آزاد ترجمہ اور خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

حمد و نعت کے بعد۔ جب اللہ کسی فرد کامل کو اپنے علوم و اسرار کی مظہریت کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اس فرد سے علوم و اسرار کا ظہور علوم رسمیہ کسبیہ کے طرز پر نہیں ہوتا بلکہ وہ علوم حسب واردات و تقریبات بروز کرتے ہیں کبھی مخاطبت کے اسلوب میں کبھی عربی میں، کبھی فارسی میں، کبھی رمز و اشارت میں، کبھی بسط و تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک اصطلاح میں، کبھی دوسری اصطلاح میں، ایک ہی مطلب و معنی کی ایک ہی روپ میں تکرار ہوتی ہے، کبھی روپ بدل دیا جاتا ہے اس لیے ان علوم و اسرار سے استفادہ اور استفادے کے آداب یہ ہیں کہ جن اوضاع و اسالیب میں ان کا ظہور و صدور ہوا ہے ان فتحات الہیہ اور واردات غیبیہ سے تعرض اسی وضع و شکل میں کیا جائے اور بغیر کسی تصرف

کے ان کی حفاظت کی جائے اس دور میں اس مقام (کاملیت) پر فائز شیخ ولی اللہ کی ذات والا ہے،
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "زکی" اور "حکیم ھذہ الامت" کا خطاب مرحمت فرمایا اور
آپ کے علوم و اسرار در حقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و اسرار ہیں اور ان کی حفاظت
ارشاد گرامی نصر اللہ امرءً سمع مقالتی حو ما ھا ثم اداھا کما سمعھا" بشارت میں شمول کا باعث ہے اس کم
ترین خاک بوسان آستانہ ولیہ احمد یہ فقیر محمد عاشق ملقب بہ علی بن شیخ عبید اللہ بارہوی پھلتی پر اللہ
تعالیٰ کے انعامات والطاف میں سے ایک یہ ہے جسے صرف تحدیث نعمت کے لیے لکھتا ہوں بد و شعور
سے میرے دل میں شاہ صاحب کی عقیدت راسخ کر دی گئی اور ظہور اسرار کے آغاز سے مجھے تخصیص
خطاب کا شرف عنایت ہوا چنانچہ حضوری میں مکالمے اور دوری میں مراسلے کے وسیلے خطاب سے
مشرف ہوتا رہا یہاں تک کہ اگر میں اس بات کی قسم کھالوں تو ان شاء اللہ حانث نہیں ہوں گا کہ آپ
کے جس قدر علوم و اسرار کا خصوصاً تصوف کے باب میں ظہور ہوا ہے وہ میرے لیے ہوا ہے اور مجھ
سے خطاب و گفتگو میں ہوا ہے ان میں سے اکثر معارف ایسے ہیں جن میں اس خاکسار کا کوئی سہیم و
شریک نہیں ہے اور کسی تحریر کا مخاطب اگر چہ بظاہر دوسرا بھی ہے مگر جیسا کہ آپ ہی کا ایک عربی شعر
ہے

و انی و ان خاطبت الف مخاطب

فانت الذی اعنی و انت المخاطب

(میرا روئے سخن ایک ہزار کی طرف ہو مگر میرا مقصود اور مخاطب تم ہی ہوتے ہو۔)

اس تخصیص سعادت کے پیش نظر مجھے ان کلمات کی توفیق ہوئی چنانچہ یہ علوم و معارف:

☆ اگر کتب و رسائل کے مسودات کی شکل میں تھے تو انھیں مبیض کیا۔

☆ رقعات کی شکل میں اور متفرق و منتشر تھے تو انھیں مدون کیا اور مستقل رسائل کی شکل
دی۔

☆ اضافات باطنی جو بے قید تحریر و خطاب میرے آئینۂ قلب پر منعکس ہوئے تھے انھیں

عربی یا فارسی میں قلم بند کر کے تصویب کے بعد مدون منضبط کیا۔

مختصر یہ کہ الحمدللہ ایک کلمہ بھی حتی المقدور ضائع نہیں کیا یہاں تک کہ آپ ہی نہیں آپ کے بعض اصحاب کے احوال واقوال بھی جتنے ہو سکے جمع کر لیے اور اس کام میں ایک عمر صرف کر دی اور الحمدللہ جمع و تالیف کے اس کام میں قضائے شوق کے سوا کچھ اور منظور نہ تھا۔

اب سنہ ۱۱۶۱ھ میں یہ ارادہ کیا ہے کہ تصوف پر ان کے تمام رسائل کو ایک جلد میں جمع کر کے ایک کلیات مرتب کر دوں۔

اس عزم کی تکمیل سے قبل جب مندرجہ بالا سطور آں محترم کی نظر سے گزریں تو غایت انشراح وانبساط خاطر کے عالم میں بڑے اہتزاز کے ساتھ بندہ نوازی فرمائی اور حسب ذیل کلمات تحریر فرما کر مجھے اعزاز وامتیاز کا شرف بخشا۔

**منکم بدء الامر و ثنیا وھذا امر منکم بدء و الیکم یعود**

**وتلک کلمة کنتم احق بھا واھلھا وحق الرب المعبود**

تمھیں سے آغاز وانجام ہے اس کام کی ابتدا بھی تم سے کی اور انتہا بھی تم پر ہوگی ان کے تم ہی سب سے زیادہ اہل اور مستحق ہو ابخدا!

خدایا تو ہی جانتا ہے کہ میں اس بے اندازہ نعمت کے شکر کی استطاعت نہیں رکھتا۔

پھر میں نے طے کیا ہے کہ اس کلیات میں تقریباً بیس رسائل جمع کر دوں اور ان کی ابتدا الخیر الکثیر سے کرتا ہوں کہ یہ کتاب اسی کی مستحق ہے۔

## مکتوب

ذیل میں شاہ محمد عاشق کا وہ خط نقل کیا جا رہا ہے جو انھوں نے میر ابوسعید بریلوی کے نام لکھا تھا:

سعادت ونقابت مرتبت، خلاصہ دودماں حقائق ومعارف آگاہ، فضائل دستگاہ میر ابوسعید بریلوی جیو سلمہ اللہ تعالیٰ بعد از سلام اشواق التیام از فقیر محمد عاشق مشہود ضمیر معارف تخمیر باد کہ

الحمدللہ علی العافیہ ونسئل اللہ تعالیٰ ان یدیم لنا ولکم ایاھا، اشفاق نامہ کہ بہ میاں شاہ نوراللہ جیو وفقیر ار قام فرمودہ بودند ورود وتوود نمود الحال کہ فقیر بجہت شرف ملاقات ملازمت حضرت قبلہ کونین مداللہ ظلہم العالے رسید عرضی ایشاں را کہ بجناب حضرت ارسال داشتہ بودند مطالعہ نمود ومواجید خاصہ کہ بفضل الٰہی نصیب ایشاں شدہ ملاحظہ کردہ وایں معنی موجب نہایت خوشی وشادی گردیدہ وحمد الٰہی وشکر وے تعالےٰ بجا آورد اللہم زد فزد ثم زد انشاء اللہ تعالےٰ بعد وصول وطن نیاز نامہ بخدمت خواہد نوشت امید کہ بدعائے خیر یاد دارند زیادہ چہ التماس نماید۔ والسلام میاں محمد عتیق جیو سلام مطالعہ نمایند از محمد فائق سلام مطالعہ باد۔

## المصفّیٰ پر تحریر

شاہ ولی اللہ نے موطا امام مالک کی ایک شرح عربی میں المسویٰ کے نام سے لکھی تھی، اوراس کے بعد المصفّیٰ فی احادیث المؤطا کے نام سے فارسی میں ایک اور شرح لکھی تھی یہ شرح شاہ صاحب کی زندگی میں تبییض نہیں ہو سکی تھی یہ کام شاہ محمد عاشق کی نگرانی میں انجام کو پہنچا چنانچہ شاہ محمد عاشق نے اس کی روداد قلم بند کی جو کتاب کے آخر میں درج ہے۔[۱۹]

"امابعد فقیر محمد عاشق برضمیر صفا پذیر طالبانِ صادق واضح می گرداند کہ چوں ایں کتاب مصفّیٰ شرح موطا امام مالک، از قلم فیض رقم حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وار ضاہ بہ تسویہ رسید بہ سبب اشتغال باشغال دیگر توجہ بترتیب وتہذیب آں مسودات مبذول نشد ومدتے غیر مرتب ماند ہرچند گوشہ خاطر ومبارک باآں طرف ہمیشہ مصروف بود لیکن صورت نمی گرفت تا آں کہ روح پرفتوح ایشاں بہ ملاء اعلیٰ پرواز فرمود چوں ایں واقعہ رونمودار کسے را از عقیدت منداں ہوش نما ند کہ بتفحص آں اوراق پردازد تا بعد مدت پنج یا شش ماہ صالحے حضرت ایشاں را در خواب دید کہ گویا می فرمایند کہ بہ ترجمۂ موطا شوق بسیار دارم واظہار شغف باآں فرمایند آں نزد کاتب حروف آں بشریٰ نمود از ہماں وقت شغفے متعلق بہ ترتیب وتبییض آں مسودات بخاطرم افتاد ونزد حافظ کلام رب العالمین خواجہ محمد امین ولی اللّٰہی کہ تلمیذ خاص ومحرم اختصاص جناب حضرت ایشاں بود شغف خودرا

اظہار نمودم ایشاں مسودات را بیروں آوردہ کتاب مسوئ پیش رونہادہ تبییض و ترتیب گرفتند مدتے، جہد بلیغ نمودہ تا حسن انتظام یافت و ثامن عشر شوال یوم الاحد عند اربعۃ انہار ۱۱۷۹ھ تسع وسبعین بعد الالف وماۃ مرتب ومہذب گردید الحمد للہ علی ذلک۔

## حواشی:

۱) القول الجلی ص۹

۲) اتحاف النبیہ ما یحتاج الیہ المحدث والفقیہ ص ۱۸۔۱۹ طبع لاہور

۳) القول الجلی ص ۴۸۲

۴) الجزء اللطیف ص ۱۹۴ مطبع احمدی دہلی

۵) اتحاف النبیہ ص ۱۸

۶) مکتوب شاہ عبد العزیز بنام ابو سعید رائے بریلوی، الفرقان لکھنو

۷) ذخیرہ قیوم منزل بھوپال

۸) نادر مکتوبات جلد دوم ص ۶۳

۹) ذخیرۂ قیوم منزل بھوپال

۱۰) عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ شاہ عبد العزیز / مولانا ڈاکٹر عبد الحلیم چشتی ص ۱۸ و مقالات طریقت ص ۱۸

۱۱) ملفوظات عزیزی ص ۱۲

۱۲) مقالات طریقت ص ۱۸

۱۳) فتاوئ عزیزی ص ۱۸۲ مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ھ

۱۴) مطبوعہ مطبع محمدی ٹونک ۱۲۸۴ھ

۱۵) ارشاد محمدی ص ۱۵ محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸ھ

۱۶) فہرست کتب خانہ رام پور ص ۶۹۹ مرتبہ احمد علی خاں شوق

۱۷) فتاوئ عزیزی ص ۱۸۱

۱۸) ایضاً

۱۹) مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ

# شاہ محمد

## (شاہ ولی اللہ کے بڑے فرزند)

شاہ ولی اللہ کا پہلا عقد ۱۴ سال کی عمر میں شاہ عبید اللہ کی صاحب زادی فاطمہ سے ہوا تھا، ان سے تین اولادیں ہوئیں (۱) صالحہ (۲) شیخ محمد (۳) امۃ العزیز عرف مستی۔ شاہ محمد کی ولادت[1] ۱۱۴۶ھ میں ہوئی تھی ان کی تحصیل علم کی تفاصیل نہیں ملتیں، ظاہر ہے کہ گھر میں ہوئی ہوگی۔ خود شاہ صاحب اور ان کے مدرسے میں مقیم علما نے تعلیم دی ہوگی شاہ عبدالعزیز کا بیان[2] ہے کہ انھوں نے حصن حصین اور شمائل ترمذی اپنے بھائی شاہ محمد کی قرأت سے اپنے والد سے پڑھی تھی۔ ان دونوں بھائیوں کی عمر میں تیرہ سال کا فرق تھا اس لیے شاید تبرکاً شاہ عبدالعزیز کو شریک درس کرلیا گیا ہوگا۔

شاہ ولی اللہ کے مرض وصال کے آخر لمحات میں سب اعزہ کی موجودگی میں شاہ محمد پر ''غایت اضطراب'' طاری ہوگیا تھا۔ سب انھیں سمجھا رہے تھے۔[3]

شاہ محمد شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے مگر انہیں باقی چار بھائیوں جیسا نام اور مقام نہیں ملا، بلکہ ایک عرصے تک ان کا وجود ہی نامعتبر رہا ہر قلم کی زبان پر ''شاہ ولی اللہ کے چار صاحب زادے'' تھے الحمد للہ اب یہ رنگ نہیں رہا اور عام طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے کہ چار نہیں پانچ۔

لیکن ایسا کیوں تھا؟

شاہ محمد کی ولادت ۱۱۴۶ھ میں ہوئی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت ۳۰ سال کے ہوگئے تھے اس تیس سال میں سے تحصیل علم کا عرصہ (جو حد سے حد

بیس سال ہوگا) نکال دیا جائے تو دس سال انھوں نے کہاں گزارے؟ کیسے گزارے'' خاندان کی روایات کے پیش نظر عہد تعلم کے ختم ہوتے ہی عہد تعلیم وتدریس کا آغاز ہوگیا ہوگا اور مدرسۂ رحیمیہ میں ایک جوان سال معلم کا اضافہ ہوگیا ہوگا۔ ساتھ ہی خاندانی ذوق تالیف وتحریر کے مشغلے میں بھی کسی قدر وقت صرف اوقات ہونے لگا ہوگا، ان کے چچا شاہ اہل اللہ نے تقریباً تیرہ سال کی عمر میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے مکاتیب کا مجموعہ مرتب کرلیا تھا، خاندان کے نصاب درس میں طب کا فن بھی تھا خدمت خلق اللہ اور رابطۂ عوام کا یہ محاذ بھی انھوں نے شاید سنبھالا ہو، لیکن ان میں سے ایک شعبے میں بھی ان کی دل چسپی اور فعالیت کے سراغ نہیں ملتا، پھر والد کے وصال کے وقت بھائیوں میں وہ سب سے بڑے تھے، منصبی ذمہ داریوں کے بار اٹھانے کی انھیں سے توقع کی جا سکتی تھی لیکن صورت حال مختلف ہے، شاہ محمد عاشق[۴] نے جو شاہ محمد کے حقیقی ماموں تھے انھیں نہیں شاہ عبدالعزیز کو'' خلف الصدق ظاہراً و باطناً حضرت ایشاں'' تحریر کیا ہے والد کے وصال کے بعد دستار بندی بھی شاہ عبدالعزیز کی ہوئی، شاہ ولی اللہ کے نیاز مندوں کے جو تعزیت نامے آتے ان کے مخاطب شاہ محمد نہیں شاہ عبدالعزیز تھے، جواب میں شاہ عبدالعزیز اپنے تینوں چھوٹے بھائیوں کی معلمانہ پیش رفت کا ذکر کرتے ہیں مگر شاہ محمد کی کسی تدریسی اور تلقین وارشاد کی یا مطب کی مصروفیت کا نہیں صرف بخیر وعافیت ہونے کا کرتے ہیں۔

اس بے نامی کے اسباب کی تلاش میں اگر کچھ راہ نمائی ملتی ہے تو مولوی نصراللہ خاں خورجوی سے ملتی ہے کہ

''آپ (شاہ محمد) ولی کامل تھے آپ پر جذب غالب تھا'' مقالات[۵] طریقت میں مولوی صاحب کی زبانی دہلی میں ایک مجذوب سے آپ نے فیض حاصل کر کے مجذوب ہو جانے کا قصہ بھی لکھا ہے جس کے نتیجے میں آپ پر جذب غالب اور انتہا تک رہا ہے۔

اس بیان کی صحت تسلیم کرلینے کے بعد یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاہ محمد پر جذب کی سی کیفیت ابتداء عمر میں ہی طاری ہوگئی ہو اور وہ تحصیل علوم کی تکمیل نہیں کر سکے ہوں، یا تحصیل سے

فراغت تو کرلی ہو مگر خاندان اور معاشرے میں کوئی مقام پانے سے پہلے مجذوب ہو گئے ہوں۔

شاہ محمد کے نام شاہ ولی اللہ کا ایک مکتوب بھی ہے جسے رسالہ بھی لکھا گیا ہے۔ یہ ایک صفحہ کا مختصر خط ہے جس میں املا و کتابت کے قاعدے بیان کئے ہیں۔[۶]

شاہ محمد کچھ دن کے لیے لکھنؤ بھی چلے گئے تھے اور کچھ دن کے لیے نواب افضل خاں برادر نجیب الدولہ کی دعوت پر ان کے یہاں بھی جا کر رہے تھے، نجیب الدولہ کی وفات ۱۷۷۰ء میں ہوئی تھی، اس لیے ظاہر ہے کہ واقعہ اس سال سے پہلے کا ہوگا۔

شاہ محمد کا عقد، شاہ نور اللہ پھلتی کی صاحب زادی صبیحہ سے ہوا تھا، شاہ محمد اولاد سے محروم رہے[۷]

شاہ محمد کا وصال ۱۲۰۸ھ میں بڈھانے میں ہوا تھا وہیں جامع مسجد سے متصل مزار ہے۔[۸]

حواشی:

۱۔ مکتوب شاہ ولی اللہ بنام شیخ محمد معین ٹھٹوی، نادر مکتوبات جلد سوم ص ۱۲۹

۲۔ مکتوبات و بیاض یعقوبی ص ۱۸۰ کراچی ۱۹۷۷ء (سند عطیہ شاہ عبدالعزیز بنام شاہ ابوسعید فاروقی مجددی)

۳۔ القول الجلی ص ۲۶۲ دہلی ۱۹۸۹ء

۴۔ ایضاً ص ۲۶۳

۵۔ مقامات طریقت ص ۱۲

۶۔ نادر مکتوبات جلد اول ص ۳۰۳

۷۔ مقامات طریقت ص ۱۲

۸۔ ذخیرۂ قیوم منزل بھوپال و مقامات طریقت ص ۱۲

# شاہ عبدالعزیز

پورا نام امام الدین عبدالعزیز۔ تاریخی نام غلام حلیم تھا (۱۱۵۹)
شاہ ولی اللہ کی پہلی شادی شاہ عبیداللہ پھلتی کی صاحب زادی اور شاہ محمد عاشق کی بہن امۃ الرحیم سے ۱۱۲۸ھ/۱۶-۱۷۱۵ء میں ہوئی تھی۔ ان کے انتقال (۱۱۳۹ھ) کے بعد دوسری شادی سید ثناء اللہ سونی پتی کی دختر سیدہ ارادت سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن کے چار صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں ہوئیں۔ ان میں سے امام الدین عبدالعزیز تھے جو ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت شاہ ولی اللہ کی عمر ۴۵ سال تھی۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ میری عرفیت "مسیحا" ہے اس لیے کہ میرے والدین کے کئی بچے[۲] اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ اس لیے سب کو اولاد کی بڑی آرزو تھی چنانچہ میری ولادت کے زمانے کے قریب کئی بزرگ اور اولیا مسجد میں معتکف تھے، جب میں پیدا ہوا تو غسل کے بعد مجھے مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا۔ گویا مجھے خدا کی نذر کر دیا گیا پھر ان معتکف بزرگوں نے محراب سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے والدین کو بخش دیا۔[۳]

"والد ماجد مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے[۴] تھے۔" تعلیم و تربیت والد کی نگرانی میں ہوتی۔ والد نے ان کے لیے علم الصرف[۵] کے قواعد کو منظوم کیا تھا شاہ عبدالعزیز ۱۷ ویں سال میں تھے کہ شاہ ولی اللہ کا وصال ہو گیا (۱۱۳۱ھ) اس لیے تعلیم کی تکمیل شاہ محمد عاشق، خواجہ محمد امین کشمیری، شاہ نور اللہ پھلتی سے کی۔[۶] رسم دستار بندی میں تین چار بند مولانا فخر

صاحب نے باندھے تھے جناب مرزا مظہر جان جاناں بھی شریک محفل تھے۔'' [۷]

''جب شاہ ولی اللہ کا انتقال ہوا اور شاہ عبدالعزیز مسند درس وارشاد پر بیٹھے تو مولانا فخر الدین نے سر پر دستار فضیلت باندھی تھی جب پگڑی باندھ چکے تو کان میں کہا، تمہارے والد بزرگوار کے دامن پر ایک دھبا لگ چکا ہے تمہارا کام یہ ہے کہ اسے صاف کردو، دھبے سے مقصود شاہ صاحب کا مجتہدانہ مسلک اور تقلید مذاہب سے انکار تھا۔'' [۸]

''شیخ عبدالعزیز خلف الصدق ظاہراً و باطناً حضرت ایشاں''

(شاہ محمد عاشق، القول الجلی ۳۶۳)

''روزانہ صبح قریب طلوع آفتاب ایک رکوع قرآن شریف سنا کرتے تھے اس کے قاری شاہ اسحاق ہوتے تھے۔ جمعہ اور منگل کو قرآن شریف کا درس بطور وعظ کرتے تھے اس میں ہزاروں آدمی ہوتے تھے۔'' [۹]

''کسی خاص طریقے میں عام طور پر بیعت نہ فرماتے تھے۔ اپنے اعزہ خصوصاً شاہ مخصوص اللہ، شاہ اسماعیل، شاہ یعقوب، شاہ اسحاق کو قادریہ سلسلے میں بیعت کیا، امراء وسلاطین کو چشتیہ میں اور دوسروں کو نقشبندیہ میں بیعت کرنے لگے۔'' [۱۰]

جو طلبہ وعلما تیمناً و تبرکاً حصول اجازت کے لیے آتے تھے، چہل قدمی کے وقت ان سے احادیث سنتے تھے۔ کچھ بیان بھی کرتے تھے۔ اس قسم کے شاگرد بے شمار تھے۔ [۱۱]

### وفات

آپ بہت قلیل الغذا کثیر الامراض تھے۔ وفات سے کچھ پہلے غذا بالکل ترک کی۔ مرض کی شدت تھی۔ وعظ کا وقت آیا تو فرمایا، مجھے پکڑے رہو بیان شروع کردوں تو چھوڑ دینا ایسا ہی کیا گیا وعظ فرمانے لگے آیت شریفہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل کا بیان کیا، اس کے مطابق نقد اسباب سب تقسیم کردیا من بعد قریب ایک لاکھ کے نقد اور دوسرا اسباب بیش قیمت جو رہا تھا اس میں سے چند ہزار روپے زاد راہ سفر حجاز و حج شاہ اسحاق و شاہ یعقوب کو عطا کیے چند ہزار

اور مراسم وفات کے لیے، پھر فرمایا میرا کفن اسی کپڑے کا ہو جو میں پہنتا ہوں آپ کا کرتا دھوتر کا اور پاجامہ گاڑھے کا ہوتا تھا جنازے کی نماز شہر کے باہر ہو۔ بادشاہ میرے جنازے پر نہ آئے۔ ۷ شوال ایک شنبہ ۱۲۳۹ھ وقت طلوع آفتاب وصال ہوا پہلی نماز جنازہ ترکماں دروازے کے باہر ہوئی امام شاہ اسحاق تھے بعد ازاں نصیر الدین صاحب شافعی کے مقبرے میں نماز جنازہ ہوئی کل ۵۵ بار نماز جنازہ ہوئی تھی۔ [۱۲]

## حلیہ

دراز قد، لاغر اندام، گندم رنگ، کلاں چشم صاف جسم تھے۔ گرداگرد چہرے کے لحیۂ مبارک خوش نما بااعتدال تھی اکثر چغہ اس کے تلے انگرکھا اور پاجامہ شرعی، دستار کشمشی کلاہ پنبہ دار، رومال بینی پاک نیلا اور پاپوش نری اور ہاتھ میں عصا سبز رکھتے تھے۔ [۱۳]

## جاگیر

تین موضع آپ کی جاگیر میں تھے ان کی سند شاہ عالم بادشاہ (۱۷۰۹-۱۸۰۶ء) اور دولت راؤ سندھیا نے گزرانی تھی۔ حسن پور اور مراد آباد پرگنہ سکندر آباد سے چاروں بھائیوں میں مشترک تھا اور ایک موضع مہلجنہ پرگنہ بڈھانہ (مظفرنگر) سے بلا شرکت غیرے آپ کے تصرف میں تھا۔ چنانچہ وہ موضع اپنے دونوں نواسوں مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کو عطا کیا تھا اب تک جاری ہے مولانا نصر اللہ صاحب خورجوی کہتے ہیں کہ میری عمل داری میں مہلجنہ کے سالانہ بارہ سو روپے بے کلدار ہوتے تھے اور اب بھی وہی ہے۔ [۱۴]

شاہ عبدالعزیز کو تحقیق اور ابطال باطل کے ''جرم'' میں اقتدار کے عتاب کا نشانہ بننا پڑا۔ جاگیر ضبط کرلی گئی اور خاندان سمیت دہلی بدر کر دیے گئے۔ ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس وقت عجیب عالم ہے کہ بلاد مسلمین پر غلبہ سکھ و مرہٹہ و جاٹ کے باعث اور ان کے اموال مسلمین کو لوٹنے اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرنے کی وجہ سے دل و جان نے آسائش و آرام کو فراموش کر دیا ہے چنانچہ فقیر بھی مع قبائل مراد آباد آ گیا ہے۔ دوآبے کی تمام زمین مذکورہ

قوموں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زیروزبر ہوگئی ہے الحمدللہ فقیر اور قریہ پھلت کے ساکنین بڑے بھائی شیخ محمد صاحب قصبہ بڈھانہ میں بعزت وآبرو اور جان ومال کی سلامتی کے ساتھ ہیں۔"[۱۵]

نواب غازی الدین خاں کا بیان ہے کہ جب فرزندان شاہ ولی اللہ کی حویلی ضبط کرلی گئی تو مولانا فخر صاحب نے ان حضرات کو اپنی حویلی میں ٹھیرایا غم خواری کی، حویلی واپس دلوائی اور اعزاز واکرام کے ساتھ واپس بھیجا"[۱۶]

شاہ عبدالعزیز نے اپنی تصنیف تحفہ اثناعشریہ ۱۷۹۰ء میں مکمل کی اور ۱۷۹۹ء میں یہ کلکتہ سے اس طرح شائع ہوئی کہ شاہ صاحب کے اصل نام عبدالعزیز کے بجائے ان کے تاریخی نام ''غلام حلیم'' سے شائع ہوئی والد کا نام بھی شاہ ولی اللہ کے بجائے قطب الدین لکھا گیا غالباً یہی وہ دور ہے یعنی اٹھارویں صدی عیسوی کا آخری عشرہ اور انیسویں صدی عیسوی کا پہلا عشرہ جب شاہ صاحب ابتلا کا ہدف تھے اس دور میں مظہر جان جاناں شہید کئے گئے (۱۷۹۰ء) کئی سال کے بعد ۱۸۰۷ء میں شاہ صاحب کی مکانات واملاک واگزار ہوئے۔

**تصانیف:۔**

(۱) تفسیر فتح العزیز، مطبوعہ

(۲) تحفۂ اثناعشریہ فارسی مطبوعہ

(۳) سر الشہادتین عربی، مطبوعہ

(۴) بستان المحدثین مطبوعہ

(۵) عجالۂ نافعہ مطبوعہ

(٦) حاشیہ القول الجمیل مطبوعہ

(۷) سر الجلیل فی مسئلہ التفضیل، فارسی مطبوعہ

(۸) وسیلۃ النجات مطبوعہ

(۹) عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس، عربی مطبوعہ

(۱۰) فیض عام

(۱۱) اصول مذہب حنفی

(۱۲) حاشیہ صدرا

(۱۳) حاشیہ میر زاہد رسالہ

(۱۴) حاشیہ میر زاہد ملا جلال

(۱۵) حاشیہ میر زاہد امور عامہ

(۱۶) تحقیق الرؤیا مطبوعہ

(۱۷) میزان البلاغت، مجتبائی دہلی ۱۳۱۲ھ

(۱۸) میزان العقائد

(۱۹) ما یجب حفظہ للناظر مطبوعہ

الاحادیث الموضوعہ

حاشیہ المقدمۃ السنیہ

النبراس شرح العقائد للنسفی

اعجاز البلاغہ

نظام العقائد

شرح ارجوزۃ الاصمعی

قرآن السعدین وایضاح النیرین در ذکر شہادت حسین

تضمین قصیدہ شاہ ولی اللہ

فتاویٰ عزیزی مطبوعہ

شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ کی تالیف ۱۲۰۴ھ/۱۷۹۰ء مکمل کی اور ۱۲۱۵ھ/۱۷۹۹ء میں وہ کلکتہ سے شائع ہوئی اور اس کے فوراً بعد تحفے میں تحریف کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شاہ صاحب کے ایک معتقد نے ایک خلاف عقیدہ اہل سنت عبارت تحفے کے ایک نسخے میں دیکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھ کر خلش دور کرنے کی درخواست کی تو انھوں نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

''وتعریضات در باب معاریہ رضی اللہ عنہ ازیں فقیر واقع نشدہ اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی وکید ومکر کہ بناء مذہب ایشاں یعنی گروہ رفضہ از قدیم برہمیں امور ست ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند اللہ خیر حافظا وایں تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ نخواہد شد'' اللہ تعالے حافظ ہے اور یہ چوٹیں معتبر نسخوں میں نہیں ہوں گی۔

حضرت معاویہ پر چوٹیں میں نے نہیں کیں اگر تحفہ اثنا عشریہ کے کسی نسخے میں ایسی عبارتیں نظر آتی ہیں تو وہ کسی نے اپنی طرف سے بڑھادی ہیں کیوں کہ روافض کے مذہب کی بنیاد شروع ہی سے فتنہ انگیزی، مکر اور فریب پر ہے۔ یہ کام بھی انھوں نے ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے سنا ہے کہ تحفے میں بھی انھوں نے الحاق شروع کردیا ہے (جس کا ثبوت آپ کا یہ خط بھی ہے) اللہ تعالیٰ حافظ ہے اور یہ چوٹیں معتبر نسخوں میں نہیں ہوں گی۔''

شاہ صاحب کی تفسیر فتح العزیز صرف سوا تین سیپاروں کی طبع ہوئی ہے اور مشہور یہی ہے کہ اتنی ہی لکھی تھی لیکن ایک روایت یہ ہے کہ:

''آپ کے ایک شاگرد مولوی یار محمد نے آپ کے درس قرآن کے کئی دوروں میں اپنے مصحف پر حواشی لکھ دئے تھے۔ وہ ان کے فرزند مولوی محمد اسحاق کے پاس موجود ہے۔ یہ مکمل قرآن شریف کی تفسیر ہے۔''[۱۷]

''ایک روایت یہ ہے کہ حاجی محمد حسین صاحب سہارن پوری سلمہ اللہ تعالیٰ مولوی نور اللہ صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کا یہاں موجود ہے مگر چھپی نہیں۔''[۱۸]

مولانا حیدر علی فیض آبادی (ف ۱۸۸۱ء) نے سکندر جہاں والیہ بھوپال کی فرمائش پر فتح العزیز کا تکملہ لکھا تھا اس کتاب کا جو مخطوطہ جو مصنف کا لکھا ہوا ہے ادارہ تحقیق عربی وفارسی ٹونک میں ہے۔ اوراق ۶۶۷ سائز ۱۷×۳۰ نمبر ۲۰۲۔[۱۹]

اخلاف:

شاہ صاحب کا عقد مولوی نور اللہ پھلتی کی دختر صبیحہ سے ہوا تھا، ان سے کئی صاحب

زادے ہوئے مگر وہ نوعمری ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے، تین صاحب زادیاں ہوئیں (۱) عائشہ بی (۲) رحمت بی (۳) مریم بی۔

عائشہ کا عقد مولوی محمد افضل رہتکی سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے اور ایک صاحب زادی ہوئی (۱) شاہ محمد اسحاق (۲) شاہ محمد یعقوب (۳) مبارک، شاہ محمد اسحاق کے دو صاحبزادے اور تین صاحب زادیاں ہوئیں۔

(۱) محمد سلیمان (۸ سال کی عمر میں وفات پا گئے) (۲) محمد یوسف (۴ سال کی عمر میں وفات پا گئے) (۳) امۃ الرحیم (۴) امۃ الغفور (۵) خدیجہ۔

سب سے بڑی خدیجہ کا عقد مولوی سیّد نصیر الدین نبیرہ شاہ رفیع الدین سے ہوا تھا جو غزنی میں ۱۸۴۰ء میں شہید ہوئے ان کے دو صاحب زادے تھے عبداللہ اور عبدالحکیم، یہ دونوں ہندوستان سے ہجرت کے ارادے سے نکلے تھے مگر عبداللہ راستے میں سمندر میں غرق ہو گئے، عبدالحکیم مکہ معظمہ پہنچ کر ہیضے کی وبا میں شہید ہوئے۔

شاہ اسحاق کی دوسری صاحب زادی امۃ الغفور کا عقد شاہ محتشم سے ہوا تھا ان کے صرف ایک فرزند تھے مولوی عبدالرحمٰن۔ یہ مکۂ معظمہ میں تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی نے شاہ ولی اللہ کی کتاب المسوّیٰ کا مسودہ انہی مولوی عبدالرحمٰن کے ورثا سے حاصل کیا تھا۔

شاہ صاحب کی تیسری صاحب زادی امۃ الغفور کا عقد ملا عبدالقیوم بڈھانوی سے ہوا تھا ان کے ایک دختر اور دو صاحب زادے مولوی حافظ یوسف اور حافظ محمد ابراہیم تھے۔ حافظ محمد یوسف لاولد گئے حافظ ابراہیم کے ایک فرزند حافظ محمد اسماعیل اور دو لڑکیاں تھیں حبیبہ اور ام سلمیٰ حافظ محمد اسماعیل کے ایک فرزند تھے حافظ محمد احمد ان کے فرزند ہیں حافظ مصطفیٰ (قیوم منزل بھوپال) ام سلمیٰ کا عقد مولوی قاضی محمد شعیب (بن قاضی محمد یحییٰ بن قاضی محمد ایوب پھلتی) سے ہوا تھا ان کے صرف ایک صاحب زادے تھے مولوی محمد زبیر صدیقی۔ حبیبہ کا عقد سیّد عباس علی سے ہوا تھا ان سے سیّد جعفر علی (لاہور) اور عارف علی اور غذرا ہیں۔

## حواشی:

۱۔ مولوی سید ظہیر الدین احمد نے یہ نام سید حامد لکھا ہے۔

۲۔ ان مرنے والے بچوں میں ایک صالحہ تھیں دوسرے سعد الدین القول الجلی ص ۹۸۔۱۷۵۔۲۰۲

۳۔ ملفوظات عزیزی ص ۱۰۹ (اولاد کی محبت بھی عجیب چیز ہے۔ کیسے کیسے بزرگوں میں کیسی کمزوریاں در آتی ہیں)

۴۔ ملفوظات ص ۱۳

۵۔ یہ مطبع لاہور سے ۱۲۹۳ھ میں اور مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ سے ۱۳۹۷ھ میں طبع ہوا تھا۔

۶۔ مقالات طریقت، ص ۲۸

۷۔ ایضاً ص ۲۸

۸۔ مولانا ابوالکلام آزاد، نقش آزاد، لاہور ۱۹۵۸ء

۹۔ مقالات طریقت، ص ۲۹

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً ص ۱۳

۱۴۔ ایضاً ص ۳۶

۱۵۔ مکتوب شاہ عبدالعزیز، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ۱۹۶۵ء

۱۶۔ مناقب فخریہ ص ۱۶ مطبع احمدی دہلی

۱۷۔ مقالات طریقت ص ۳

۱۸۔ مقالات طریقت ص ۲۳۰

۱۹۔ خزینہ مخطوطات، مولانا عمران خاں، ٹونک

# شاہ رفیع الدین

ولادت ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء، وفات ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء پورا نام رفیع الدین عبدالوہاب والد کی وفات کے وقت ۱۲، ۱۳ سال کے تھے، اور میبذی پڑھتے تھے۔ باقی کتابیں بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز اور ماموں شاہ محمد عاشق سے پڑھیں، شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک مکتوب (۱۱۷۹ھ) بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی میں لکھا تھا۔ "رفیع الدین بفضل الٰہی تحصیل علوم سے فارغ ہوگئے ہیں اور مجلس علما وفقرا کے سامنے ان کے دستار تبرک باندھی گئی اور درس کی اجازت دے دی گئی۔ الحمد للہ بہت سے طلبہ ان سے مستفید ہو رہے ہیں"[1] پھر جب شاہ عبدالعزیز نے اشتداد عوارض اور اضمحلال قویٰ کی بنا پر تدریس ترک کر دی تو ان کے اسباق شاہ رفیع الدین کے سپرد ہوئے اور مدرسے کی صدارت کا بار انھی نے اٹھایا۔ نصف صدی سے زیادہ عرصے تک یہ سرگرم افادہ وتدریس رہ کر ہزاروں فضلا پیدا کیے۔ شاہ رفیع الدین کو اپنے بھائیوں میں امتیاز حاصل تھا کہ انھیں معقولات سے بھی شغف تھا ملفوظات عزیزی میں ان کے ریاضیات میں تبحر کے سلسلے میں کئی ملفوظ ہیں ایک بار فرمایا "مولوی رفیع الدین کو میرے ہزاروں شاگردوں میں سے خاص مرتبہ حاصل ہے ریاضیات میں تو انھیں موجد کا درجہ حاصل ہے، ایک بار فرمایا فن ریاضی میں مولوی رفیع الدین کی مثال ہند وولایت میں نہیں ملے گی۔"

شاہ عبدالعزیز کی نظر میں شاہ رفیع الدین کا جو مقام رفیع تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں حملۃ العرش من وعن نقل کر دی ہے۔ ایک بار ایک ارادت مند نے عرض کی کہ میں نے خواب میں سورج کو غروب ہوتے دیکھا ہے شاہ عبدالعزیز نے جواب

دیا "آفتاب تو غروب ہو گیا شاہ رفیع الدین چل بسے"۔ [۲]

شاہ رفیع الدین کو بیعت ارشاد شاہ محمد عاشق سے تھی۔

شاہ صاحب نے تدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کی طرف بھی مناسب توجہ فرمائی اور اگرچہ ایک کتاب کے علاوہ باقی تصانیف رسائل ومختصر کے ذیل میں آتی ہیں لیکن اپنے مواد و مشتملات کی نوعیت، ندرت موضوعات اور تبحرانہ اندازِ بیان کی بنا پر وہ بیش قیمت ہیں، شاہ صاحب کی تصانیف نثر میں بھی ہیں اور نظم میں بھی فارسی میں بھی ہیں اور اردو میں بھی۔

اردو

(۱) ترجمہ کلام اللہ، یہ ترجمہ آپ نے ۱۲۰۵ھ میں مکمل فرمایا مگر عبدالرحیم ضیا کا جو اسی دودۂ والا کے منتسبین میں سے ہیں بیان ہے کہ [۳]

ترجمہ: "تحت اللفظی قرآن بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا، دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔"

ضیا کے اکثر بیانات مبنی بر حقیقت پائے گئے ہیں اس لیے ان کے اس انکشاف کو ہم بے اصل اور ناقابل التفات قرار نہیں دے سکتے، خصوصاً اس لیے بھی کہ اس خاندان کے اکثر علما کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا ہے اور ان کی تحریروں میں تحریف وتغیر اور اس سے سوا یہ کہ ان کی طرف اپنی مصنفہ کتابوں کو نسبت وشہرت دینے میں ایک گروہ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ہم نے ایک مستقل مضمون میں ان کے تحریفات واضافات کی نشان دہی کی ہے۔

(۲) تفسیر رفیعی، سورہ بقر کی اردو تفسیر ہے جو شاہ صاحب کے درس قرآن کی تقاریر پر مشتمل ہے۔ یہ تقاریر شاہ صاحب کے ایک مرید سید نجف علی معروف بہ فوج دار خاں نے قلم بند کی تھیں اور بقول خود شاہ صاحب سے اصلاح بھی کروائی تھی، یہ تفسیر فوج دار خاں کے بیٹے سید عبدالرزاق نے ۱۲۷۲ھ میں مطبع نقشبندی سے شائع کی تھی، تفسیر پر عبدالرزاق نے جو پیش لفظ لکھا تھا اس میں نہ صرف تفسیر بلکہ ترجمے کے متعلق بھی صراحت کی تھی کہ یہ دونوں شاہ صاحب کے

نہیں ہیں بلکہ ان کے والد فوج دار خاں نے لکھے ہیں۔[۲]

''والد بزرگ وار نے بخدمت۔۔۔۔۔۔مولوی رفیع الدین رحمہ اللہ کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں پھر آپ ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست فرما دیا کریں چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح سے مرتب ہوا اور رواج پایا اس صورت سے تفسیر سورہ بقرہ کے بطور فائدوں کے تمام و کمال مفصل و شرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا۔''

مندرجہ بالا بیان سے عبدالرحیم ضیا کے اس بیان کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے جو ہم نے ترجمہ قرآن کے سلسلے میں نقل کیا تھا آپ محسوس کریں گے کہ ضیا کے بیان میں وزن ہے۔

## فارسی

(۱) رسالہ اذان نماز کی تالیف محرم ۱۲۲۰ھ

(۲) رسالہ فوائد نماز

(۳) رسالہ حملۃ العرش

(۴) شرح رباعیات

(۵) بیعت

(۶) شرح چہل کاف صفر ۱۲۲۰ھ

(۷) شرح برہان العاشقین (رسالہ معما) تالیف ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۲۲۰ھ

(۸) نذور بزرگان

(۹) جوابات سوالات اثنا عشر

مندرجہ بالا ۹ رسائل کا مجموعہ مولوی سید احمد نے مطبع احمدی سے شائع کیا تھا پھر ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۳ء میں مولانا عبدالحمید سواتی نے مدرسہ نصرۃ العلوم گجرانوالہ پاکستان سے شائع کیا۔

(۱۰) مجموعہ فتاوی شاہ رفیع الدین مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں اور مدرسہ نصرۃ العلوم گجرانوالہ سے ۱۳۸۱/۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

(۱۱) آثار قیامت (قیامت نامہ) مطبوعہ

(۱۲) تنبیہ الغافلین مطبع احمدی، چچرہ، ہوگلی، کلکتہ

(۱۳) رسالہ، سمت قبلہ

(۱۴) رسالہ، تعدیلات الخمستہ المتحیرہ

## عربی

(۱) اسرار المحبۃ مولوی عبدالحمد سواتی نے تحقیق و تصحیح کے ساتھ مدرسۃ نصرۃ العلوم گجرانوالہ سے ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء میں شائع فرمایا۔

(۲) تفسیر آیۃ النور، تحقیق و تصحیح مولانا عبدالحمید سواتی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۴ء

(۳) تکمیل الاذہان، تالیف ۱۲۳۰ھ تحقیق و تصحیح مولانا سواتی۔ ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء

(۴) مقدمۃ العلم ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۵ء

(۵) دمغ الباطل، شاہ ولی اللہ کے مکتوب مدنی کے جواب میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے ارشاد پر مولانا غلام یحییٰ بہاری (ف ۱۷۶۷ء) نے رسالہ کلمۃ الحق لکھا تھا، شاہ رفیع الدین نے کلمۃ الحق کے جواب میں دمغ الباطل تصنیف فرمایا تھا، یہ ضخیم کتاب مولانا عبدالحمید سواتی کی سعی سے مدرسہ نصرۃ العلوم سے شائع ہوگئی ہے۔

(۶) رسالہ فی اثبات شق القمر وابطال براہین الحکمۃ،

(۷) رسالہ فی تحقیق الالوان

(۸) رسالہ فی الحجاب

(۹) رسالہ فی برہان التمانع

(۱۰) حاشیہ بر میر زاہد رسالہ

(۱۱) الدرر الدراری

(۱۲) رسالہ فی المنطق

(۱۳) رسالہ فی الامور العامہ

(۱۴) رسالہ فی التاریخ

## نظم

(۱) قصیدۂ عینیہ در رد قصیدہ شیخ الرئیس

(۲) قصیدہ معراجیہ

(۳) تخمیس بر قصیدہ شاہ ولی اللہ در بیان حقیقت نفس

۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء میں وصال فرمایا۔ اس سال دہلی میں جو وباء ہیضہ پھیلی تھی اس سے شاہ رفیع الدین بھی متاثر ہوئے۔ جب مرض نے شدت اختیار کر لی تو شاہ عبدالعزیز نے تبارک ویٰسین کی تلاوت کا حکم دیا۔ جب وفات واقع ہوگئی تو عزیزوں کو تسلی دی اور خدام کو حکم دیا کہ والد ماجد کے پائیں میں نے جو جگہ اپنے لیے مخصوص کی تھی وہاں قبر تیار کرو جب جنازہ باہر آیا تو روتے ہوئے جنازے کو کاندھا دیا اور نماز جنازہ ادا کر کے جنازے کو رخصت کیا اور خود بعد میں (شاید سواری پر) مقبرہ پہنچے۔ قبر تیار ہو رہی تھی۔ جنازے کے قریب والد کی قبر پاس بیٹھ گئے مراقب ہو گئے دفن کے بعد خود بھی مٹی دی اور فاتحہ پڑھ کر رخصت ہوئے۔ شہر آ کر زنانے میں گئے وہاں سے واپس (مردانے) آ کر لوگوں کو وداع کیا اور تلقین صبر کی اور فرمایا ان سے چار رشتے تھے (۱) حقیقی بھائی تھے (۲) والد مرحوم نے فرمایا تھا کہ یہ تیرا بیٹا ہے (۳) میری دایا کا انھوں نے دودھ پیا تھا (۴) شاگرد تھے۔ یہ بھی فرمایا کہ ہم چاروں (حقیقی) بھائیوں کی رحلت میں ترتیب منعکسہ واقع ہوئی۔ سب سے پہلے سب سے چھوٹے بھائی مولوی عبدالغنی گئے ان کے بعد ان سے بڑے مولوی عبدالقادر ان کے بعد ان سے بڑے مولوی رفیع الدین اب میری، جو ان سب سے بڑا تھا باری ہے۔"

فاتحہ سوم میں مجمع کثیر جمع ہو گیا تھا اکیاسی بار سے زیادہ کلام اللہ ختم ہوا شاہ دہلی اکبر شاہ ثانی کی طرف سے شاہزادہ سلیم و بابر و جوان بخت نے مجلس میں شرکت کی اور نذریں پیش کیں۔ [۵]

## اخلاف

شاہ صاحب نے تین شادیاں کیں اور ان سے بارہ اولادیں ہوئیں (۱) محمد عیسیٰ

(۲) محمد مصطفیٰ (۳) مخصوص اللہ (۴) محمد حسین (۵) محمد موسیٰ (۶) امۃ اللہ (۷) دختر (۸) دختر (۹) دختر (۱۰) محمد حسن (۱۱) تقیہ (۱۲) نقیہ (ذکیہ) ان میں پہلے چھ پہلی بیوی سے اور سات سے نو تک دوسری بیوی اور دس سے بارہ تک تیسری بیوی سے ہیں۔

ان میں سب سے بڑے مولوی عیسیٰ تھے ان کا پہلا عقد شاہ عبدالعزیز کی بیٹی سے ہوا تھا، دوسری بیوی کے بیٹے مولوی عبدالواحد ان کے بیٹے مولوی عبدالرحمٰن (ولادت ۱۸۴۴) ان کے بیٹے عزیز الرحمٰن (۱۹۰۲ء) ان کے بیٹے نورالرحمٰن (ولادت ۱۹۲۹ء) اور وسیم الرحمٰن وفہیم الرحمٰن واکبرالرحمٰن وبصیرالرحمٰن وصحیف الرحمٰن ہوئے۔

مولوی موسیٰ کی ایک بیوی سے ایک بیٹی فاضلہ اور دوسری بیوی سے ایک بیٹے عبدالسلام ہوئے۔

مولوی مصطفیٰ شاعر بھی تھے اور تحیر تخلص کرتے تھے۔ ان کا عقد شاہ عبدالقادر کی بیٹی زینب سے ہوا تھا ان سے صرف ایک بیٹی جمیلہ ہوئیں جن کا عقد شاہ محمد اسماعیل سے ہوا، شاہ محمد اسماعیل کے صرف ایک لڑکے ہوئے شاہ محمد عمر، جن کا انتقال ۱۲۶۸ھ میں ہوا۔

محمد حسن کی اولاد ایک لڑکے احمد حسن اور چند لڑکیاں تھیں۔ احمد حسن کی بیٹی مولوی علاء الدین پھلتی کو بیاہی تھیں مولوی علاء الدین کی بیٹی مولوی احمد علی (فرزند مولانا محمد علی مونگیری بانی ندوہ) کو بیاہی تھیں۔

امۃ اللہ کا عقد سید نجم الدین سونی پتی سے ہوا تھا ان کی ایک لڑکی شاکرہ (زوجہ قمر الدین منت) اور دو لڑکے سید ناصر الدین، سید نصر الدین ہوئے، سید نصر الدین، ناصر الدین کے بیٹے معز الدین اور معین الدین ہوئے بیٹی نصیرہ تھیں۔ معز الدین کے بیٹے مولوی سید ظہیر الدین احمد ہوئے۔ سید نصیر الدین کا عقد شاہ محمد اسحاق کی دختر سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے عبدالحکیم اور عبداللہ ہوئے۔

نقیہ کے دو بیٹے ہوئے عبدالوہاب اور عبدالرحمٰن یہ لوگ ۱۲۸۳ھ تک حیات تھے۔

شاہ رفیع الدین کی طرف اردو رسالہ راہ نجات منسوب کر کے بارہا شائع کیا گیا ہے مگر

شاہ رفیع الدین کا نہیں ہے، یہی رسالہ شاہ عبدالعزیز اور مولوی محمد علی پانی پتی کی طرف منسوب کر کے بھی بارہا شائع کیا گیا ہے، ممکن ہے مولوی محمد علی کا ہو مگر شاہ رفیع الدین کا ہے نہ شاہ عبدالعزیز کا۔

## حواشی:

۱) الفرقان لکھنو ۱۹۶۵ء

۲) ملفوظات عزیزی ص ۴۰۔۶۲

۳) مقالات طریقت ص ۱۸

۴) ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم چشتی، بینات کراچی، رمضان ۱۳۶۲ھ

۵) ملفوظات عزیزی ص ۸۰۔۸۳۔۸۴

شاہ رفیع الدین
محمد عیسیٰ
عبدالواحد
عبدالرحمٰن
عزیزالرحمٰن
نورالرحمٰن
وسیم
فہیم
کبیر
بصیر
صحیف
محمد مصطفیٰ
(زینب)
جمیلہ
(شاہ اسماعیل)
شاہ محمد عمر
محمد موسیٰ
فاضلہ
عبدالسلام
(۱۲۹۳ھ)
امۃ اللہ
(سید نجم الدین سونی پتی)
سید ناصرالدین
سید معزالدین
ظہیرالدین
معین الدین
امۃ العائشہ
(سید محمد کلیمی)
سیّد عبدالغنی کلیمی
نصیرہ
سید نصیرالدین
عبداللہ
عبدالحکیم
شاکرہ
(قمرالدین منت)
محمد حسن
احمد حسن
دختران
نقیہ
(زکیہ)
عبدالواہاب
عبدالرحمٰن
(۱۲۸۳ھ تک حیات)

# شاہ عبدالقادر

ولادت ۱۱٦۷ھ/۱۷۵۳ء

پورا نام معین الدین عبدالقادر

والد کی وفات (۱۱۳۱ھ) کے وقت صرف نو سال کے تھے اور صرف میر پڑھتے تھے، تحصیل علوم شاہ محمد عاشق، اور دوسرے علما سے کی۔ بیعت ارشاد شاہ عبدالعدل دہلوی سے کی۔

''تمام عمر اکبرآبادی مسجد کے ایک حجرے میں بسر کردی'' (سرسید) [1]

مسجد کے ایک حجرے میں رہتے اور ہفتے میں ایک روز (چہار شنبے کو) شاہ عبدالعزیز اور دوسرے اعزہ سے ملنے مکان آیا کرتے تھے۔

۱۲۰۵ھ میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا اس کا تاریخی نام ''موضح قرآن'' ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار عبداللہ بن بہادر علی ۱۲۴۵ھ کے مطبع احمدی ہوگلی (بنگال) سے شائع ہوا تھا۔ پھر مولوی سیّد شاہ جہاں داماد میاں نذیر حسین دہلوی نے ۱۳۰۷ھ میں اس میں اضافات کر کے شائع کیا چنانچہ مولوی سیّد ظہیر الدین ولی اللٰہی نے اس خاندان کی جن جعلی کتابوں کی نشان دہی کی ہے ان میں تحفۃ الموحدین اور ابلاغ المبین اور تفسیر مولانا شاہ عبدالقادر معروف بہ موضح القرآن بھی ہے۔

سیّد عبدالحی نے شاہ صاحب کے ایک اردو رسالے تقریر الصلوٰۃ کا نام بھی لیا ہے۔ [2]

شاہ صاحب سے بکثرت علما نے استفادہ کیا، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا

صدرالدین آزردہ شاہ اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب دہلوی جیسے اکابر فضلاء عصر آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کی جسمانی یادگار صرف ایک صاحب زادی زینب تھیں جن کا عقد آپ نے اپنے بھتیجے مولوی مصطفیٰ فرزند شاہ رفیع الدین سے کیا تھا، ان سے ایک بیٹی ہوئیں جمیلہ جن کا عقد شاہ محمد اسماعیل سے ہوا، ان سے صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر پیدا ہوئے تھے جن کا انتقال ۱۲۶۸ھ میں ہوا۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:

"(حواشی موضح القرآن میں) ضعیف قصوں اور اسرائیلی روایتوں سے انھوں نے احتراز نہیں کیا مثلاً ہاروت و ماروت کی کہانی اور طالوت کا اس طرح منتخب ہونا کہ ایک لکڑی کے گز کے پیمانے سے ٹھیک اترے حال آں کہ قرآن کہتا ہے "بسطۃ فی العلم والجسم" وغیرہ ذلک، ان کے بعض حواشی نے منکرین اسلام کے اعتراض کو قوی موقع دیا مثلاً الم نشرح میں وَ وَضَعنَا عنک وزرک (آیت ۲) ترجمہ کرنا کہ گناہوں کا بوجھ دور کر دیا، پادری فنڈر نے آں حضرت کی عصمت کے خلاف اس سے تشبث کیا تھا۔

حواشی:

۱) آثار الصنادید ص ۲۶۹

۲) الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، طبع بیروت ص ۱۱۸

۳) مکاتیب ابوالکلام، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری ص ۱۹۷

# شاہ عبدالغنی دہلوی

پورا نام رضی الدین عبدالغنی ولادت ۱۱۷۱ھ۔ شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت پانچ سال کے تھے، تعلیم کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ قرآن حفظ کر لیا تھا اور فارسی کا نصاب شروع ہونے والا تھا یہ تحقیق نہیں ہے فراغت بھی حاصل کی تھی یا نہیں؟ [۱]

شاہ عبدالغنی کا عقد مولوی علاء الدین پھلتی کی دختر بی بی فضیلت سے ہوا تھا جن کا سفر حج کے دوران ۱۸۲۲ء میں انتقال ہوا، تین بچے ہوئے (۱) شاہ محمد اسماعیل ولادت ۱۱۹۳ھ (۲) رقیہ (۳) ام کلثوم، شاہ عبدالغنی کا انتقال ایک روایت کے مطابق ۱۲۰۳ھ میں ہوا تھا۔

"آپ بڑے صاحب کشف و کرامت، عارف کامل، زاہد پرہیز گار تھے" [۲]

مشہور "افسانہ نویس" محمد جعفر تھانیسری نے لکھا ہے کہ شاہ عبدالغنی سیّد احمد شہید سے بیعت ہوئے تھے [۳] حال آنکہ سیّد احمد صاحب شاہ عبدالغنی کی وفات کے وقت صرف ڈھائی ماہ کے تھے۔ تھانیسری نے شاہ عبدالعزیز کو بھی سیّد صاحب سے بیعت کا آرزو مند بتایا ہے موصوف کا یہ بھی بیان ہے کہ وہ بزرگ آخر میں مجنون ہو گئے تھے"

شاہ اسماعیل کا عقد شاہ عبدالقادر کی نواسی جمیلہ سے ہوا تھا جن سے صرف ایک صاحب زادے شاہ محمد عمر پیدا ہوئے تھے۔ بی بی رقیہ کا عقد شیخ کمال الدین بن محمد معشوق بن

علاء الدین پھلتی سے ہوا تھا شیخ کمال الدین کی وفات کے بعد ان کا نکاح شاہ اسماعیل نے نکاح بیوگان کی تحریک کے دوران مولوی عبدالحی بڈھانوی سے کر دیا تھا۔[۴]

شاہ عبدالغنی کی چند صاحبزادیاں ۱۳۱۱ھ میں بقید حیات تھیں۔[۵]

## حواشی:

۱) مکتوب شاہ عبدالعزیز ماہنامہ الفرقان لکھنو ۱۹٦۵ء

۲) مقالات طریقت ص ۲۳

۳) سوانح احمدی ص ۲۹۵، طبع کراچی

۴) مخزن احمدی از سید احمد علی رائے بریلوی ص ۴۵

۵) مقدمہ فتاوی عزیزی از مرزا محمد بیگ دہلوی ص ۱۲

## شاہ ولی اللہ کے اخلاف و احفاد

# شاہ محمد اسحٰق دہلوی

شاہ محمد اسحٰق دہلوی، شاہ عبدالعزیز کے بڑے نواسے، خلیفہ اور جانشین تھے۔ خان وادہ ولی اللہی کے آخری عظیم وجلیل رکن، انیسویں صدی عیسوی کے بیشتر خدام حدیث نبوی کے شیخ تھے۔ شاہ ولی اللہ نے برسوں پہلے اپنے احفاد کے دائرۂ فیض کی وسعت کی جو پیش گوئی کی تھی، اس کے مصداق شاہ اسحٰق ہی تھے۔ ہم شاہ محدث کی حیات اور ان کے علوم پر ایک مبسوط کتاب تالیف کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کی حیات کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

والد کا نام شیخ محمد افضل، ولادت ۱۷۸۲ء، تعلیم شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی۔ حجاز میں شیخ عمر بن عبدالکریم مکی سے بھی سند حدیث لی۔ تربیت باطن بھی نانا اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی اور شاہ عبدالعزیز سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی۔ تعلیم سے فراغت ۱۸۰۸ء میں حاصل کی اور معاً بعد مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کی مسند پر رونق افروز ہوگئے اور مسلسل ۴۰ سال درس دیتے رہے۔ ۱۸۲۳ء میں نانا کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

۱۸۲۴ء میں فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور دو سال بعد ۱۸۲۶ء میں واپس ہوئے۔ اس سفر میں حج و زیارت کے علاوہ وقت کے محدث شیخ عمر بن

عبدالکریم سے سند حدیث بھی حاصل کی۔ مراجعت کے بعد ۱۶ سال درس وارشاد وافتا میں مصروف رہے اور ۱۸۴۲ء میں دہلی سے مکہ معظمہ ہجرت فرماگئے۔ وہاں بھی اطاعت وریاضت کے علاوہ درس وارشاد کا شغل جاری رہا۔ جوارِ حرم میں چار سال اور چند ماہ قیام کے بعد ۱۸۴۵ء میں وصال فرمایا اور اُم المومنین سیّدنا خدیجہؓ کے مزارِ مبارک کے جوار میں مدفون ہوئے۔

شاہ صاحب نے مشکوۃ شریف کا اردو ترجمہ کیا جس کا ایک مطبوعہ نسخہ پروفیسر ایوب قادری کے ذخیرے میں تھا۔ شاہ صاحب کا ایک مختصر رسالہ شعب الایمان خاکسار نے حیات شاہ اسحاق میں شائع کردیا ہے۔

شاہ صاحب کے دو صاحب زادے ہوئے محمد سلیمان جو ۸ سال کی عمر میں وفات پاگئے دوسرے محمد یوسف جو چار سال کی عمر میں گذر گئے۔ تین لڑکیاں امۃ الرحیم، امۃ الغفور، خدیجہ۔ خاکسار نے شاہ صاحب کی مفصل سوانح حیات شاہ محمد اسحاق شائع کردی ہے۔

حواشی:

۱ مقالات طریقت ص: ۲۳ مقدمہ فتاویٰ عزیزی مرزا احمد بیگ ص: ۱۲

# شاہ محمد یعقوب دہلوی

شاہ عبدالعزیز کے نواسے اور شاہ محمد اسحاق کے چھوٹے بھائی، صرف چھوٹے بھائی ہی نہیں ہم خیال وہم مسلک تھے، زندگی بھر رفیق وشریک حال رہے۔

اسم گرامی محمد یعقوب اور عرف چھوٹے میاں تھا۔ ولادت ۲۸رذی الحجہ ۱۲۰۰ھ /۱۷۸۶ء، تحصیل علوم زیادہ تر شاہ رفیع الدین سے کی، خیا کا بیان[1] ہے کہ تین سبق شرح ملا کے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے پڑھے ہیں۔ اکثر علوم شاہ رفیع الدین سے حاصل کئے، تفسیر جلالین شاہ عبدالعزیز سے ان کی چہل قدمی کے دوران پڑھی، سند شاہ عبدالعزیز نے عطا فرمائی۔ فراغت کے بعد اپنے بزرگوں کے مدرسے میں درس دینے لگے۔ ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فریضہ حج ادا کیا واپسی پر درس کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۴۲ء میں یہ پورا گھرانا ہند کے دارالحرب سے مکہ معظمہ ہجرت کر گیا، وہاں بھی درس وارشاد کا سلسلہ جاری رہا۔ ۲۴ برس جوارِ بیت اللہ میں قیام کے بعد ۲۸رذی قعدہ ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۷ء کو وصال فرمایا۔

آپ سے علوم دینیہ اور فیض باطن حاصل کرنے والوں میں سے نواب صدیق حسن خاں، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولوی عبدالعزیز جعفری، ملا عبدالقیوم بڈھانوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد زماں (شہید ۱۲۹۲ھ)، شیخ محمد محدث تھانوی، خواجہ احمد بن یاسین نصیر آبادی، مولوی محمد سعید عظیم آبادی جیسے رجال العلم وعمل

ہیں اور حاجی منیر خاں رئیس خانپور، سکندر شاہ، عبدالرحیم نگینہ ساز، نعمت خاں (خادم خاص) وغیرہ جیسے بکثرت اشخاص[۲] بھی آپؒ سے متمتع ہوئے۔ ان حضرات میں سے مولانا قاسم کا بیان ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قلب کے اندر جو نہایت باریک چور ہوتے ہیں ان سے خوب واقف تھے۔

مولف سوانح احمدی نے آپ کو سیّد احمد شہید کا مستفید و مرید اور ان کا خلیفہ بتایا ہے یہ اگرچہ عقلاً مستبعد نہیں ہے مگر مولف موصوف نے شاہ عبدالعزیز کے گھرانے کے بارے میں اس قدر غلط بیانیاں کی ہیں کہ اس کی کسی بات کا بغیر سند کے اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ خود شاہ محمد یعقوب نے ہمیشہ اپنے فخر روزگار نانا ہی کے دامان تربیت سے وابستگی کو اپنے لیے باعث فخر و لائق ذکر سمجھا۔ چنانچہ ان کے ایک مسترشد شیخ محمد محدث تھانوی تحریر فرماتے ہیں:[۳]

"اور ۱۲۶۳ھ میں فقیر کو بعد شرف بیعت و صحبت اپنے بمقام مکۂ معظمہ شرفہا اللہ تعالےٰ حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب مہاجر مکی نواسہ اور خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے اجازت تمام اذکار و اعمال و اشغال جملہ طریقوں کی جو ان کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ سے پہنچے تھے مع خرقہ کرتہ شریف اپنے کے و مع سند مہری علم حدیث اور علم تفسیر و فقہ و اصول حدیث اور تصوف..... عطا فرمائی۔"

شاہ محمد یعقوب کو اگرچہ شاہ محمد اسماعیل کے طرزِ فکر اور مسلک سے اتفاق نہیں تھا مگر ان بزرگوں کے اختلافات حدود میں ہوتے تھے۔ چنانچہ ادھر فریقین میں معاشرتی روابط خوش گوار تھے ادھر خاص تحریک جہاد بالکفرہ میں شاہ محمد یعقوب اور ان کے برادر مکرم نے ممکن اعانت کی، امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ شاہ اسماعیل نے حج کو روانہ ہونے سے قبل خاص خاص علماء کی ایک مجلس طلب کی تھی جس میں شاہ محمد یعقوب بھی شامل تھے، ان حضرات سے شاہ اسماعیل نے تقویت الایمان کے اندازِ بیان کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا۔

مجاہدین کی ہجرت کے بعد ہندوستان میں اعانت مجاہدین کا کام انھی دونوں بھائیوں نے سنبھالا تھا، پورے ملک سے جو قافلے آئے وہ انھی بھائیوں سے مل کر اور ہدایت لے کر آگے بڑھتے۔ سرحد سے جو ہدایات آتی تھیں وہ انھیں بھائیوں کی وساطت سے آتیں۔ زراعانت کی فراہمی اور اسے مجاہدین تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی انھی کی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں سیّد صاحب کے متعدد خطوط ان حضرات کے نام ہیں، خطوط جن حالات میں لکھے جاتے تھے اور قاصد جن راستوں سے گزرتے تھے ان کی وجہ سے کتاب اور مکتوب الیہ کے اسماء صراحۃً نہیں لکھے جاتے تھے اور عموماً القاب اس قسم کے ہوتے تھے[۵]۔

**شیخین جلیلین للد رایته عینین وللرویته اذنین وللسماحمه یدین وللشهادة عضدین وللعبادة قدمین وللهدایته علمین اکبرهما فلاریب فی انه شجرة غائرة الاصول والاعراق ناضرة الغصون والا وراق واما اصغر هما فلاشک انه ثمرة طعمها مرغوب وریحها محبوب**

**یا**

**الیٰ کریم الاخلاق طیب الاعراق فاتح الاغلاق والی اخیه محبوب ذی الخلق المرغوب**

**یا**

**ناصران بکلمة الله ناصحان لدین الله اما اکبر هما فلاشک انه نقی الاعراق صفی الاخلاق وصی الآفاق واصغرهما فلاریب انه ذوالخلق المرغوب مطهر ادناس العیوب"**

مولوی سیّد نصیر الدین مجاہد کے ایک خط سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب کا سندھ کی طرف ہجرت کا ارادہ تھا، مولوی سیّد نصیر الدین لکھتے ہیں[۶]:

"برائے مہاجرت بھائی یعقوب ملک سندھ بسیار خوب است۔"

مجاہدین و مہاجرین ہند میں ایک گروہ مولوی سید محبوب علی کی قیادت میں سید صاحب سے بغاوت کر کے جب سرحد سے لوٹ آیا تھا اور دہلی میں تحریک جہاد کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا تو تحریک جہاد بہت متاثر ہوگئی تھی کیونکہ ادھر مجاہدین کے قافلوں میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی، ادھر مادی اعانت بند ہوگئی تھی۔ اس فتنہ کو رفع کرنے اور دوبارہ یہ سلسلہ شروع کرنے کا سہرا انھی دونوں بھائیوں کے سر ہے۔

افسوس ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو نظر انداز کر دیئے، فراموش کر دیئے اور ان کی خدمات کو بھلا دینے کی منظم و متحدہ سعی کی گئی ہے، اس لیے ان حضرات کی سوانح کے صرف چند گوشے بمشکل اوراق تاریخ میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ خسر ال، اولاد، تصانیف، مسترشدین و مستفیدین غرض پوری زندگی کو اوجھل کر دیا گیا ہے ورنہ ان دونوں برادران کرام کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ نے جو پیش گوئی کی تھی کہ اگرچہ میرے فرزند بھی مبارک ہیں اور ان میں نیکی ظہور پذیر ہوگی۔

مگر تدبیر غیب کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو اور ہستیاں پیدا ہوں گی جو مدتوں مکہ اور مدینہ میں علوم دینی کی ترویج کریں گی اور وہیں رہیں گی اور یہ دونوں ہستیاں اپنی ماں کے رشتے سے مجھ سے متعلق ہوں گی۔

تو نواب صدیق حسن خاں کے بقول اس کے مصداق شاہ اسحٰق و شاہ یعقوب ہو سکتے ہیں۔

سر سید احمد خاں نے اپنے دور کے جن خاصان دہلی کے ذکر جمیل سے آثار الصنادید کے اوراق کو زینت دی تھی، ان میں شاہ محمد یعقوب بھی تھے، لکھتے ہیں:

علم و فضل میں بھی کم پایہ نہیں رکھتے تھے الاخلق جمیل وصفات جزیل اور قناعت و استغنا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی بطور ہدیہ پیش کش کچھ لایا کچھ قبول نہ کیا جو سرمایہ اپنے پاس رکھتے ہیں اس میں

بسر اوقات کرتے ہیں خواہ بہ تنگی اور خواہ بہ وسعت اور حسب استعداد اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتے رہتے ہیں۔ اس کم استعدادی میں توفیق ایسے امور خیر کی ایسے ہی مردان خدا کا کام ہے، آپ نے ہمراہ اپنے برادر مرحوم کے ہندوستان سے ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں توطن اختیار کیا جب تک شاہ جہاں آباد میں رہے گوشہ عزلت میں پابدامن رہتے تھے اور ابناء روزگار کی طرف کبھی رجوع نہ رکھتے تھے اور یہی حال ہے اس بلاد میں کہ کچھ وجہ قلیل میں جو کسی کسب حلال سے بہم پہنچتا ہے اپنی اوقات گزر کرتے ہیں اور اوقات شبانہ روزی کو عبادت خالق زمین و آسماں میں بسر کرتے ہیں۔ حق جل وعلیٰ ایسے زبدۂ اہالی روزگار کو تادیر بسلامت رکھے کہ اپنے خاندان عالی شان کے یادگار ہیں۔ آمین یارب العالمین۔''

سرسیّد نے جو ''کسی کسب حلال'' کا ذکر کیا ہے اس کی وضاحت مقالات طریقت کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ؎

''کہتے ہیں کہ مکان میں فرصت کے وقت ریشم کھولا کرتے تھے۔''

شاہ عبدالعزیز کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب روزانہ ایک سپارہ دوبار پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح ایک ماہ میں دوبار بیک وقت قرآن مجید ختم کرتے تھے[۸]۔

''میاں یعقوب فرزند من۔۔۔۔ در ہر شب یک پارہ در مدرسہ خواندہ باز در خانہ مع جماعت ہموں پارہ می خوانند تا کہ معاذ و قرآن شریف پس و پیش یک دو روز ختم می کنند''

یعنی ''میرے بیٹے میاں یعقوب روزانہ رات کو ایک ہی پارہ باہر مدرسے میں پڑھتے ہیں اور پھر گھر میں جماعت کے ساتھ وہی پارہ پڑھتے ہیں اس طرح دو قرآن مجید ایک دو روز کے آگے پیچھے ایک ماہ میں ختم کرتے ہیں۔''

ثقات کہتے کہ استعداد ظاہر کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی آیت کے معانی بیان کرتے تو وہ مضامین عالی بیان فرماتے کہ سامعین حیران وششدرہ جاتے۔ پہروں وہی بیان چلا جاتا

قوت باطن کا یہ حال کہ ادھر سبق حدیث شریف وغیرہ کا بھی ہو رہا ہے، ادھر توجہ بھی جاری ہے۔ یہ اس کو مانع وہ اس کو مزاحم نہیں۔ امانت داری ایسی کہ یعقوب امین مشہور تھے۔ سکندر شاہ دہلوی کہتے ہیں کہ "ایک شخص آپ کے پاس دو سو قرص مسی امانت لایا اور کہا یہ رکھیے، آپ نے فرمایا الماری میں رکھ دو، اس نے نام نشان اپنا کر دیا، آپ نے نام لکھ کر دھر دیا، ایک مدت کے بعد آ کر اس نے طلب کیا آپ دیدیئے (آپ نے دیدیا) کہا کہ کھول کر بتایئے۔ فرمایا کہ تم نے بھی کھول نہیں بتلایا تھا، جس طرح رکھا تھا اسی طرح رکھا ہوا ہے، وہ تکرار کرنے لگا اور کہا کہ یہ تو قرص ہیں میں تو ریال رکھا تھا (رکھے تھے)۔ آپ نے فرمایا جو آپ نے رکھا تھا وہی ہے، خیال نہ رہا ہوگا۔ خوب یاد کیجئے پر اس نے (وہ) اسی طرح تکرار کرنے لگا، آپ نے اس کو ایسا ہی آہستگی اور نرمی سے تین بار سمجھایا جب دیکھا وہ نہیں مانتا تو مکان سے جا کر دو سو ریال لا کر دیا (دیئے) اور فرمایا کہ یہ بھی لے جاؤ خیر مجھ کو سہو ہوا ہوگا، مگر کسی وجہ سے چیں بجیں نہ ہوئے[۹]۔"

حضرت کی عائلی زندگی کی تفاصیل دست یاب نہیں ہوئیں، صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ وصال کے وقت آپ کی دختر، داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمٰن صاحب[۱۰] موجود تھے۔ امیر الروایات میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے بیان کردہ ایک واقعہ میں "مولوی محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ" کا ذکر آیا ہے، اس پر مولانا اشرف علی تھانوی نے حاشیہ[۱۱] میں لکھا ہے کہ میں نے بھی والد مرحوم کے ہمراہ مکہ معظمہ میں ان کی زیارت کی تھی۔

مقالات طریقت ۱۸۷۴ء میں تالیف کی گئی تھی۔ اس وقت تک مولوی خلیل الرحمٰن بقید حیات تھے، اس پورے سو سال میں اس نسل سے کون کون اٹھا؟ ان آنے والوں کو رحیمی، ولی اللہی اور عزیزی دل و دماغ اور سیرت و کردار سے کتنا حصہ ارزانی ہوا؟ رحیمی مسند درس کسی نہ کسی شکل میں اب بھی آباد ہے یا نہیں؟ تلقین و ارشاد کے خاکستر میں کوئی چنگاری اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ کاش کسی ذریعے سے یہ معلوم ہو سکے!

مولف مقالات طریقت نے حاجی حافظ کریم بخش سے روایت کی ہے کہ شاہ یعقوبؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہماری اولا مکہ معظمہ میں جابسے گی اور حضرت امام مہدی سے ملے گی۔اس پر مولف لکھتے ہیں سبحان اللہ حضرت کی آل مولانا مولوی عبدالرحمٰن صاحب نواسے شاہ حضرت اسحاق کے اور جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سلمہا تعالےٰ نواسے مولانا یعقوب صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ کے اب حاضر ہیں، دوسری بات (لقاء امام مہدی) پر بھی خدائے جل وعلیٰ قادر ہے[۱۲]''

شاہ صاحب کے وصال کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے[۱۳]

سکندر شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت کی تجہیز و تکفین میں حاضر تھا، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے میں اور امیر بیگ صاحب اور عبدالرحیم نگینہ ساز اور نعمت خاں حضرت کے خادم خاص نے قبر میں اتارا ہے، جمعہ کے دن بھی نماز صبح آپ نے تیمم سے ادا کی اور اشراق و چاشت بھی پڑھی، دوپہر ڈھلے جب حرم محترم میں اذان ہوئی اسی وقت روح پرفتوح جانب ملاء اعلیٰ پرواز کی۔عصر کی نماز کے بعد جنت المعلیٰ میں حسب وصیت آپ کی بی بی کی قبر میں قریب مزار پر انوار مولانا اسحٰق صاحب قدس سرہ کو دفن کیا گیا، جنازے کی نماز کی ایسی کثرت ہوئی کہ تمام حرم کی دوکانیں بند ہوگئیں کھڑے رہنے کو بدشواری جائے (جگہ) ملتی تھی، حرم شریف سے جنت المعلیٰ تک اتنی خلقت تھی کہ قدم اٹھانا مشکل تھا، جنازے کو ہاتھ نہیں پہنچتا تھا، ہزار ہا عرب بوسے لے رہے تھے جس قدر امانتیں کہ تھیں سب لکھوا دیں اور فرمایا کہ تیس ریال نقرئی میرے تکیے کے تلے ہیں، اس سے تجہیز و تکفین ہووے کچھ دھوم دھام اور تکلف ضرور نہیں'' اس طرح عمل ہوا، حافظ سورتی مہتمم مساجد بھوپال نے آپ کی تاریخ وصال اس آیۃ کریمہ سے نکالی ہے: الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم و لاھم یحزنون.

خلیل الرحمٰن کے بیٹے زکریا اور ان کے بیٹے یحییٰ تھے، یحییٰ بھوپال پھلت بڈھانہ کئی

سال رہے پھر ۱۹۴۸ء میں مکہ معظمہ چلے گئے، ۱۹۶۱ء تک حیات اور محلہ شاہیہ مکاں ۳۷۳ میں رہتے تھے۔

## حواشی

(۱) مقالات طریقت ص ۲۴۳ و مقدمہ فتاویٰ عزیزی مرزا محمد بیگ ص ۱۲

(۲) مقالات طریقت ص ۲۴۳، امیر الروایات ص ۱۵۰ و بعد ۱۳۶، اور ارشاد محمدی از محدث تھانوی ص ۳

(۳) مقالات ۲۴۶، ۱۲، امیر الروایات (۳) امیر الروایات ص ۱۵۱ (۴) ارشاد محمدی ص ۳ مطبع محبوب مطالع میرٹھ ۱۳۰۸ھ (تالیف ۱۲۷۷ھ)

(۵) جماعت مجاہدین ص ۵۴

(۶) جماعت مجاہدین ص ۱۵۱

(۷) مقالات طریقت ص ۲۴۳۔ (۸) ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۷ مطبوعہ میرٹھ

(۹) مقالات طریقت ۲۴۳ مولف کی زبان ومحاورہ دکھنی ہے (۱۰) مقالات طریقت ص ۲۴۰۔

(۱۱) امیر الروایات ص ۲۳۳

(۱۲) مقالات طریقت ۵۴ (۱۳) مقالات طریقت ۲۴۶

# شاہ مخصوص اللہ

فرزند شاہ رفیع الدین، مدرسۂ رحیمیہ کے عالی مرتبت مدرس، شاہ عبدالغنی فاروقی مجددی کے استاذ گرامی۔

تعلیم وتربیت والد ماجد اور دونوں چچاؤں سے حاصل کی بیعت شاہ عزیز سے سلسلۂ قادریہ میں کی۔

عہد تعلم ختم کر کے اپنے آبائی دارالعلوم میں تفسیر وحدیث کے درس کا منصب اختیار کیا اور طویل عرصہ تک اس فرض کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ شاہ محمد اسحاق کی ہجرت حرم کے بعد تدریس کے ساتھ مدرسہ کے اہتمام کا بار بھی اپنے بھائی شاہ محمد موسیٰ کے ساتھ اٹھایا۔ ۱۷۹۰ء سے شاہ عزیز کی وفات تک مسلسل ۲۵ سال ان کے درس قرآن کی مجالس میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے رہے۔

مولانا ''بڑے صاحب کمال، علم ظاہر وباطن میں بے مثال تھے۔'' (ص ۱۸ مقالات طریقت) آپ کے اوقات ایسے مجموع تھے کہ شاید سلف صالحین کے زمرہ میں اولیاء کرام کے اوقات ہوں گے۔'' (ص ۳۴۸ حیات ولی طبع اول)

''ایک مدت دراز تک تعلیم وتدریس میں مصروف رہے ..... آخر میں گوشہ نشین ہو گئے اور اولیاء کرام کی سی زندگی بسر کرنے لگے اور بجز عبادت الٰہی اور تقویٰ کچھ کام نہ رہا۔'' (ص ۵۸۹ واقعات دارالحکومت دہلی) ازبس کہ طبیعت عبادت دوست اور مزاج

دہاوت پرست واقع ہوا ہے، ایک عرصہ ہوا کہ سررشتۂ تدریس کو ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہیں۔" (ص ۴۷ تذکرۂ اہل دہلی طبع کراچی)

منشی محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی[1] میں شاہ مخصوص اللہ کو سیّد احمد شہید کے مریدین میں محسوب کیا ہے، یہ افترا محض ہے، اس لیے کہ اس قول میں کوئی مورخ اس کا ہم نوا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس مورخین نے انھیں اپنے عم عالی مقام شاہ عبدالعزیز کا مرید بتایا ہے جن کے سیّد احمد شہید بھی مرید تھے۔ پھر اس نے تو ان کے چچا شاہ عبدالغنی فرزند شاہ ولی اللہ کو بھی سیّد صاحب کا مرید لکھ دیا ہے جو سیّد صاحب کی ولادت کے دو دہائی سال بعد وفات پا گئے گویا شاہ عبدالغنی سے رائے بریلی جا کر گھوارے میں سیّد صاحب سے بیعت[2] کی تھی، اور یہی نہیں اُس نے شاہ عبدالعزیز کو بھی سیّد صاحب سے بیعت ہونے کا متمنی اور آرزومند[3] بتایا ہے۔ تا بدیگراں چہ رسد!

اس انفراد پر مستزاد یہ کہ موصوف نے سیّد صاحب کے حادثہ شہادت کے ایک سال بعد اس عالم آب و گل میں پہلا سانس لیا تھا اور حادثہ کے ۶۴ سال بعد سوانح احمدی تالیف فرمائی تھی۔

شاہ مخصوص اللہ، سیّد صاحب کے مرید ہونے کے بجائے ان کی جماعت کے اساطین شاہ محمد اسماعیل اور مولوی عبدالحی بڈھانوی کے وہابیانہ رجحانات کے شدید مخالف تھے، انھوں نے تقویت الایمان کے جواب میں معید الایمان[4] لکھی تھی، وہ جامع دہلی کے تاریخی مناظرہ کے نہ صرف شریک بلکہ پُرجوش فریق تھے۔ اس مناظرہ کے آغاز ہی میں جب مولوی عبدالحی نے دریافت کیا کہ

"تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟"

تو شاہ مخصوص اللہ نے جواب دیا تھا:

"ہم بموجب حکم خدا کے آئے ہیں کہ حق ظاہر ہو جائے۔" پھر جب مناظرہ

کے ۱۳ ویں سوال (بدعت) پر گفتگو شروع ہوئی کہ بدعت حسنہ بھی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ تو مولوی عبدالحی نے کہا تھا ''اصل ہر بدعت کی بد ہوتی ہے''۔

اس پر مولانا مخصوص اللہ نے پوچھا کہ جس بدعت کی وجہ حسن وقبح ظاہر نہ ہو وہ کیا ہے۔اس کے جواب میں مولوی عبدالحی نے کہا سیئہ۔شاہ مخصوص اللہ نے کہا: اس تقدیر پر بدعت اور مباح میں فرق کیا ہے؟''اس سوال پر مولوی عبدالحی ساکت ہوگئے[۵]۔

منشی تھانیسری نے غالباً شاہ مخصوص اللہ کی قلمی وعملی سرگرمیوں کی توجیہہ کے لیے تحریر فرمایا ہے کہ یہ ''بزرگ آخر میں مجنون ہوگئے تھے[۶]۔''مطلب یہ ہے کہ مرید ہونے کے باوصف ان کی تحریک کے خلاف یہ سرگرمیاں اور یہ جوش وجذبہ بر بنائے جنون واختلال حواس تھا، گویا جو کام صحتِ دماغ کا ثبوت اور ثبات عقل وہوش کا نشان ہے وہی منشی تھانیسری کی نظر میں جنون ٹھہرا اور ہمیں حسرت کا مصرع یاد دلا گیا

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد

شاہ مخصوص اللہ کا وصال ۱۳/ ذی الحجہ ۱۲۷۱ھ (۵۔۱۸۵۶ء) کو ہوا۔ اپنے آبائی مقبرے مہندیوں میں دفن کیے گئے[۷]۔

شاہ مخصوص اللہ جیسے بزرگوں کے سوانح حیات کے بیش تر گوشے ظلمت میں ہیں، کہاں عقد ہوا تھا، جسمانی یادگاریں کتنی چھوڑیں؟ کوئی تفصیل بھی معلوم نہ ہوسکی۔ بس مولوی بشیر الدین نے مہندیوں میں مدفونین کی فہرست میں شاہ مخصوص اللہ اور ان کی اہلیہ کو بھی شمار کیا ہے۔

## حواشی

۱۔ص ۲۹۵ سوانح احمدی، طبع کراچی

۲۔ایضاً۔ص ۱۵۵، ص ۲۹۵

۳۔ایضاً ص ۱۲۱،

۴۔تحافۃ الوہابیہ از مفتی عبدالحفیظ آگرہ ص ۲، سیف الجبار از مولانا فضل رسول بدایونی ص ۴۸

۵۔سیف الجبار، ص ۵۴

۶۔سوانح احمدی، ص ۲۹۵

۷۔الیانع الجنی، (محمد بن یحییٰ المحسن الترہتی) ص ۶۰ طبع دہلی و مقدمہ فتاویٰ عزیزی، ص ۱۲

# شاہ محمد موسیٰ دہلوی

شاہ رفیع الدین کے فرزند گرامی شاہ محمد موسیٰ ولی اللہی خاندان کے متاخرین میں ایک نمایاں شخصیت تھے۔

آپ کا سن ولادت تو نظر سے نہیں گزرا لیکن امیر الروایات[1] میں یہ روایت درج ہے کہ آپ عمر میں شاہ محمد اسماعیل سے بڑے تھے اس لیے آپ ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء سے قبل پیدا ہوئے ہوں گے جو شاہ محمد اسماعیل کا سن ولادت ہے۔

علوم ظاہر و باطن کی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد اور عمین مکرمین سے حاصل کی اور اپنے اسلاف کی شہرۂ آفاق درس گاہ میں تدریس کی خدمت انجام دینے لگے، شاہ عبدالعزیز کے وصال (۱۸۲۳ء) کے بعد مدرسۂ رحیمیہ کا نظم ان کے نواسے اور جانشین شاہ محمد اسحٰق نے سنبھال لیا تھا، ان کی ہجرت حجاز (۱۲۵۸ھ) کے بعد شاہ محمد موسیٰ پر تدریس کے ساتھ نظم کا بار بھی آ پڑا جسے یہ حتی الوسع نبھاتے رہے، تا آں کہ تقریباً ستر سال کی عمر میں ۱۲ رجب ۱۲۵۹ھ (۱۸۴۳ء) کو اس جہاں سے اُس جہاں جا بسے اور مدرسہ رحیمیہ کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا آخری ورق لوٹ دیا گیا۔

شاہ محمد موسیٰ کے وصال کے بعد ان کے صغیر السن صاحب زادے میاں عبدالسلام اور ایک صاحب زادی ان کی یادگار رہ گئے تھے، میاں عبدالسلام کسی بزرگ اور سرپرست کے

نہ ہونے کی بنا پر حصول علم کی دولت سے محروم رہ گئے اور یوں ایک مرکز علم وحکمت سے علم وحکمت کا سلسلہ منقطع ہوگیا، بلکہ نہ جانے کن اسباب کی بنا پر نسل ہی تقریباً منقطع ہوگئی اور ۱۹۱۹ء میں مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے ''واقعات دارالحکومت'' تالیف کی تو ''اس خاندان میں سوائے ایک خاتون عفت مآب کے کوئی نام لیوا اور پانی دیوانہ رہا'' تھا۔

شاہ محمد موسیٰ اور ان کی صاحب زادی اپنے مقبرہ اسلاف مہندیوں میں محوخواب ہیں۔[۲]

وہابیت کے رد میں دو رسالے آپ کی یادگار ہیں مگر دونوں غیر مطبوعہ ہیں (۱) حجۃ العمل فی ابطال الجہل، فارسی زبان میں۔ یہ رسالہ ۶۰ اوراق (۱۲۰ صفحات) پر مشتمل ہے اور اختتام تالیف کی تاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) ہے۔ پروفیسر محمد ایوب قادری فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ ان کی نظر سے گزرا ہے[۳] مولانا فیض احمد بدایونی نے اپنے رسالہ فیض عام میں اس رسالے کے تقریباً تین صفحات نقل کئے ہیں[۴]۔ مولانا بدایونی کا بیان ہے کہ شاہ محمد موسیٰ نے ایک رسالہ ''در تحقیق استعانت'' بھی لکھا تھا[۵]۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں دو مختلف مواقع پر شاہ محمد موسیٰ کے سوال اور شاہ عزیز کے جواب درج ہیں، ان میں سے پہلا[۶] سوال یہ ہے کہ جسد بے روح پانی پر تیرتا رہتا ہے اور زندہ جسم تہ آب بیٹھ جاتا ہے، حال آں کہ روح ایک لطیف تر شے ہے، یہ کیوں؟ شاہ عزیز کے متوقع جواب سے قطع نظر، شاہ موسیٰ کا یہ سوال کرنا بڑا ہی افسوس ناک اور ندامت انگیز ہے، کیوں کہ یہ سوال ہمارے علماء کی علوم طبیعیہ سے ناواقفی اور بے تعلقی کا پردہ در ہے۔ جدید نصاب ہزار نقائص کے باوصف اس باب میں اس قسم کے نقائص سے پاک ہے اور ایک میٹرک کا طالب علم بھی اس سوال کے صحیح اور شافی جواب سے واقف ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب خاندان رحیمی کے تبرکات کے سلسلے میں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے۔ شاہ موسیٰ نے دریافت کیا تھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے عہد میں کون سا خط رائج تھا؟ شاہ عزیز نے جواب دیا کہ خط عقیلی رائج تھا پھر حضرت علیؓ نے خط کوفی ایجاد

کیا۔ چنانچہ میرے پاس حضرت علیؓ کے ہاتھ کی جتنی تحریریں ہیں اور حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید جو مسجد (؟) میں ہے، خط کوفی میں ہے ۔

شاہ صاحب کے اس ارشاد میں مسجد سے مراد اگر مدرسۂ رحیمیہ کی مسجد نہیں بلکہ جامع مسجد یا کوئی اور مسجد ہو تو بھی حضرت علیؓ کی تو کئی تحریروں کو شاہ صاحب نے خود اپنی ملک فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ تحریریں اور دوسرے نوادر اور تبرکات اب کہاں ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں شاہ محمد اسحٰق کو منتقل ہوئی ہوں گی جو شاہ اسحٰق نے اپنی ہجرت حرم کے وقت اگر یہیں چھوڑ دی تھیں، تو کس کے پاس؟ اور اس سے پھر کس کے پاس منتقل ہوتی رہیں؟ اور اگر ساتھ لے گئے تھے (اور یہی قرین قیاس ہے) تو اب یہ سب چیزیں کہاں ہیں؟ کسی ایک شخص کے پاس محفوظ ہیں؟ یا کسی دور میں تقسیم ہو گئیں؟ اگر یک جا متفرق طور پر محفوظ ہیں تو اہل اور قدر شناس اور مرتبہ داں حضرات کی ملک میں ہیں؟ یا ہماری بدقسمتی سے معاملہ اس کے برعکس ہے؟ شاہ اسحٰق کے نواسوں عبداللہ اور عبدالحکیم (فرزندان مولوی نصیر الدین دہلوی) اور عبدالرحمٰن (فرزند شاہ محتشم اللہ) اور شاہ محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمٰن کا قرن ماضی کے اواخر تک پتہ چلتا ہے، ان حضرات کے اخلاف اب بھی حجاز میں ہوں گے، یہ تو ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اب علم وفضل سے بہرہ یاب نہ ہو، مگر یہ کیا ضرور ہے کہ یہ سب لوگ دنیاوی و مادی حیثیت سے بھی بے حیثیت اور گم نام ہوں، دہلوی محدثین کے ارادت مندوں میں سے جو حضرات حج و عمرہ کی توفیق پاتے ہیں وہ اگر اپنے دورانِ قیام حرمین شریفین میں ان حضرات کی بھی تلاش کر سکیں اور ان نوادر اور تبرکات کے متعلق بھی معلومات کر سکیں تو صرف خاندان رحیمی کی بلکہ علم دین کی بھی اہم خدمت ہوگی۔

شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں کے اخلاف و تلامذہ میں فکر و نظر کے اختلاف اور مذہب و مسلک کے تعدد نے دو گروہ پیدا کر دیئے تھے۔ ایک گروہ جس کے سربراہ شاہ محمد اسماعیل شہید تھے شخص معین کی تقلید کے وجوب کا منکر اور کسی حد تک محمد بن عبدالوہاب نجدی کا

ہم نوا تھا اور دوسرا گروہ شاہ عبدالعزیز کے مسلک کا متبع حنفیت پر مطمئن ومصر "حکم بالکفر والشرک" کے باب میں محتاط تھا۔ مختصر یہ کہ جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوا تھا، شاہ محمد موسیٰ اسی دوسرے گروہ کے حامی وناصر تھے، علامہ فضل حق خیرآبادی نے جو حزب عزیزی کے گویا قائد ونقیب تھے، شاہ محمد اسمٰعیل کے متشددانہ افکار ونظریات کے رد میں سبقت کی اور تحقیق الفتویٰ فی رد اهل الطغویٰ کے نام سے ایک مفصل رسالہ میں دلائل عقلی ونقلی کے ساتھ شاہ شہید کا رد کیا تو اس کے آخر میں جن ولی اللہی اور عزیزی علما وفضلا کے دست خط تھے، ان میں شاہ محمد موسیٰ بھی تھے، پھر یہ اختلاف ان دونوں گروہوں کو شاہ جہاں کی مسجد جامع میں منعقد ایک مجلس مناظرہ میں لے گیا تو اس میں بھی شاہ موسیٰ سرگرم نظر آتے ہیں۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) کو مسجد جامع میں جو مجلس مناظرہ برپا ہوئی تھی مولانا فضلِ رسول بدایونی نے اس کی مفصل روداد کو قلم بند کر کے اوراق تاریخ میں محفوظ کر دیا ہے [۵]۔
اس مناظرہ میں شاہ موسیٰ اور مولوی عبدالحیؒ بڈھانوی کے درمیان یوں مکالمہ ہوا تھا:

"مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم ہمارے استادوں کو برا کہتے ہو۔ بولے (مولوی عبدالحی) کہ "میں نہیں کہتا" مولوی موسیٰ نے کہا کہ یہ "ایسے نئے مسئلے بناتے ہیں کہ ان سے برائی استادوں کی ثابت ہوتی ہے۔" پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ کہا کہ مثلاً قبر کے بوسے کو شرک کہتے ہو اور ہمارے اکابر اس کے مباشر ہوتے تھے۔ مولوی عبدالحی نے انکار کیا، کسی نے کہا کہ لکھ دو تا کہ تمھارے اوپر جھوٹ باندھنے والوں کی تکذیب ہو جائے، مولوی عبدالحی نے کانپتے ہاتھوں سے لکھ دیا "بوسہ دہندۂ قبر مشرک نیست۔"

## حواشی

۱۔ امیر الروایات (حکایاتِ اولیاء) طبع کراچی ص ۸۶

۲۔ واقعات دار الحکومت دہلی ص ۵۹۰ حصہ دوم، آگرہ ۱۹۱۹ء

۳۔ ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۵۹۲

۴۔ رسالہ فیض عام ص ۱۴۴

۵۔ ایضاً

۶۔ ملفوظات عزیزی ص ۲۵

۷۔ ملفوظات عزیزی ص ۱۰۰

۸۔ سیف الجبار ص ۵۴

# ملا عبدالقیوم بڈھانوی

ملا عبدالقیوم، مولوی عبدالحی (داماد شاہ عبدالعزیز) کے فرزند تھے۔ ولادت ۱۲۳۱ھ/ ۱۸۱۵ء صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولوی نصیر الدین شافعی سے، جلالین، ابن ماجہ، نسائی اور علم الفرائض، شاہ محمد یعقوب سے پڑھیں اکثر صحاح ستہ مولوی سید محبوب علی سے کچھ ہدایہ مفتی محمد مراد سے، باقی فقہ، بخاری شریف، کچھ بیضاوی، معالم التنزیل، مدارک، درمنثور، صحاح ستہ، قول جمیل، حزب البحر، حصن حصین، مستدرک حاکم، دارقطنی، دارمی وغیرہ سب کچھ شاہ محمد اسحاق سے پڑھا۔ ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء میں جب مولوی عبدالحی کا وصال ہوگیا تو سید صاحب نے ان کو ہند بھیج دیا تاکہ والدہ کا غم غلط ہو۔

مولوی عبدالقیوم، سید صاحب کے ایک مرید شیخ محمد عظیم سے بیعت تھے ان ہی کے ساتھ کچھ دن کے لیے ٹونک بھی گئے تھے پھر جب شاہ محمد اسحاق ہجرت کر کے مکہ معظمہ جانے لگے تو یہ بھی ان کے ساتھ مکہ معظمہ چلے گئے وہاں سے سکندر جہاں والیہ بھوپال نے انھیں بھوپال بلالیا اور مفتی بنادیا، جاگیر بھی پیش کی، ملا نے ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۲ء میں وصال فرمایا۔

ملا عبدالقیوم کے ایک شاگرد اور خالہ زاد بھائی قاضی محمد ایوب (۱) پھلتی قاضی بھوپال، میرے جد بزرگ مولانا حکیم سید برکات احمد کے شیخ حدیث تھے اس طرح میرا

سلسلہ حدیث بھی ملا عبدالقیوم سے ملتا ہے، قاضی محمد ایوب کو ملا عبدالقیوم نے ہی عجلت سے بھوپال بلا کر اپنا جانشین بنایا تھا۔

حکیم نورالدین نے جو پہلے صحیح العقیدہ پھر محمدی (غیر مقلد) پھر احمدی (قادیانی) ہوا، صحیح بخاری اور ہدایہ ملا عبدالقیوم سے پڑھی تھی۔ حکیم نورالدین کا بیان ہے کہ بھوپال سے رخصت ہوتے وقت میں نے مولوی صاحب سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت فرمائیں جس پر عمل کر کے میں بہت خوش رہوں، مولوی صاحب نے فرمایا خدا نہ بننا اور رسول نہ بننا، استفسار پر مولوی صاحب نے فرمایا خدا تم کس کو کہتے ہو؟ عرض کی خدا کی ایک صفت فعال لما یرید بھی ہے مولوی صاحب نے فرمایا بس یہی ہمارا مطلب ہے یعنی تمھاری خواہش پوری نہ ہو تو نفس سے کہو تم کوئی خدا ہو، رسول کو اللہ کی طرف سے حکم آتا ہے وہ یقین کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی سے لوگ جہنم میں جائیں گے اس لیے اس کو بہت رنج ہوتا ہے تمھارے فتوے کو اگر کوئی نہ مانے تو یقینی جہنمی تھوڑا ہی ہوسکتا ہے لہٰذا تم کو اس کا رنج نہیں ہونا چاہیے۔

ملا عبدالقیوم کا عقد شاہ محمد اسحاق کی بڑی دختر امۃ الرحیم سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے محمد یوسف اور حافظ مولوی محمد ابراہیم تھے، عبدالرحیم[۲] ضیا کا بیان ہے کہ دونوں متقی، پرہیز گار، ذی حلم و وقار اپنے خاندان کے یادگار ہیں، مولوی ذوالفقار احمد نے الروض[۳] المسطور میں لکھا ہے کہ مولوی محمد یوسف مثل اپنے والد ماجد مرحوم کے درس حدیث میں مشغول رہتے ہیں، نہایت صالح و متدین ہیں۔

مولوی محمد یوسف کے ایک صاحب زادے محمد سلیمان تھے ان سے ایک صاحب زادی امۃ الرحیم (اے آر خاتون) ہیں جن کے صاحب زادے اقبال اور فصیح الدین اور صاحب زادیاں زینب اور زہرہ ہیں۔

مولوی محمد ابراہیم کے صاحب زادے حافظ محمد اسمٰعیل تھے اور دو لڑکیاں ام حبیبہ (زوجہ سیّد عباس علی) جن کے لڑکے جعفر علی (مدیر مشرق لاہور) اور عارف علی، عبدالحی

اور عذرا ہیں، دوسری لڑکی ام سلمیٰ (زوجہ مفتی محمد شعیب مفتی بھوپال ۱۹۶۲ء)، ان کے لڑکے مولوی محمد زبیر صدیقی (۱۹۷۸ء) تھے۔

حافظ محمد اسماعیل کے ایک صاحب زادے پروفیسر حافظ محمد احمد (ف ۱۹۷۸ء) تھے ان کے صاحب زادے احمد مصطفیٰ صدیقی ہیں، احمد مصطفیٰ صاحب نے میری کتاب توجہ سے پڑھ کر اغلاط وتسامحات پر توجہ دلائی اور معلومات میں اضافہ کیا، موصوف کے پاس چند تحریریں ہیں۔

(۱) ملا عبدالقیوم نے خاندان ولی اللہی کے حالات قلم بند کردیئے تھے

(۲) شجرہ مرتبہ قاضی مفتی محمد یحییٰ (ف ۱۹۳۱ء) بن قاضی مفتی محمد ایوب (۱۸۹۷ء) قاضی بھوپال۔

(۳) شجرہ مرتبہ حکیم رفیع الدین

احمد مصطفیٰ صاحب نے اپنے خاندانی کتب خانے کے چند نوادر کی ایک فہرست بھی بھیجی ہے:

(۱) رسالہ اصطلاحات اصول فقہ از شاہ اسماعیل شہید۔ صفحات ۴ کاتب ملا عبدالقیوم

(۲) رسالہ فوائد متعلقہ علم حدیث تقریر از مولوی نصیر الدین اسفانا کاتب ملا عبدالقیوم صفحات ۴۸ شعبان ۱۲۵۴ھ

(۳) رسالہ دربارۂ ترکہ (میراث) کاتب ملا عبدالقیوم صفحات ۲۱

(۴) احادیث نادرہ مسند الجن ومسند الخضر از شاہ ولی اللہ۔ صفحات ۳۶ کاتب ملا عبدالقیوم ۲۳ رذی الحجہ ۱۲۵۴ھ

(۵) الدر الثمین از شاہ ولی اللہ کاتب ملا عبدالقیوم ۲۰ رذی الحجہ ۱۲۵۴ھ

(۶) الفضل المبین از شاہ ولی اللہ کاتب ملا عبدالقیوم ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۵ھ

صفحات ۷۸

ملاعبدالقیوم کی ایک تالیف (ملفوظات حضرت علی) کا اردو میں ترجمہ کر کے قاضی مفتی عبدالعلی صاحب پھلتی نے ۱۹۹۲ء میں شائع فرما دیا تھا۔

ٹونک کے ادارۂ تحقیق عربی وفارسی کے کتب خانے میں جامع صغیر کا اردو ترجمہ ہے (ACC-NO 284) جسے ملاعبدالقیوم نے والی ٹونک کو بامید طبع بھیجا تھا۔

تلخیص الہدایہ از شاہ اہل اللہ کا ایک مخطوطہ مولوی عبدالرشید بن مولوی محمد یٰسین کے پاس تھا جو ملاعبدالقیوم کا مکتوبہ تھا اس کتاب کے دوسرے مخطوطات کتب خانہ حبیب الرحمٰن صاحب شیروانی اور کتب خانہ آصفیہ اور کتب خانہ مولانا عبدالعزیز میمن میں بھی ہیں۔ (معارف اعظم گڑھ جلد نمبر ۶۱ شمارہ ۲)

## حواشی

۱؎ قاضی محمد ایوب (۱۸۲۵ء-۱۸۹۷ء) بن حکیم قمرالدین (۱۸۳۱ء بالاکوٹ)

۲؎ مقالات طریقت ص ۲۴۳

۳؎ الرحیم حیدرآباد سندھ جون ۱۹۶۷ء

# شاہ محمد اسماعیل

## شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ کے صاحب زادے

ولادت ۱۲؍ربیع الاول ۱۱۹۳ھ/۲؍اپریل ۱۷۷۹ء پھلت، وفات والد ۱۶؍رجب ۱۲۰۳ھ/۱۲؍اپریل ۱۷۸۹ء دہلی۔

| | |
|---|---|
| فراغت درس (۱۶/۱۵ سال کی عمر میں) | ۱۲۰۸-۹ھ/۱۷۹۳-۹۴ء |
| بیعت از سید احمد شہید | ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء |
| تالیف تقویت الایمان | ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء |
| تالیف صراط المستقیم | ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء |
| آغاز سفر حج از کلکتہ | ربیع الاول ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء |
| مراجعت کلکتہ | صفر ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء |
| سفر ہجرت | جمادی الثانیہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۶ء جنوری |
| پہلا معرکہ (اکوڑہ) | ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء |
| شہادت (بالاکوٹ) | ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء مئی |

**تصانیف:** رسالہ تقویت الایمان (اردو)، صراط المستقیم (باب دو) (فارسی)، منصب امامت (فارسی)، رسالہ اصول فقہ (عربی) رسالہ یک روزی (فارسی)، ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح۔ تنویر العینین[1] فی مسئلہ رفع الیدین، مثنوی سلک نور، رسالہ بے نمازاں۔

---

(۱) تنویر العینین کے متعلق بعض معاصرین شاہ اسماعیل کا بیان ہے کہ ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے ان کے نام سے یہ رسالہ لکھ کر شہرت دی ہے، تنبیہ الضالین ۸۷

# شاہ محمد عمر

شاہ اسماعیل شہید کی اولاد میں صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر کا نام ملتا ہے۔

مولوی سید عبدالحی کا بیان ہے[1] کہ قناعت وعفاف وتوکل واستغنا اور تبتل الی اللہ کی صفات سے بہرہ مند تھے۔ دنیا اور ارباب دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ ایک بار بہادر شاہ ظفر نے شوقِ ملاقات ظاہر کیا اور قلعۂ معلیٰ کو رونق بخشنے کی دعوت دی مگر آپ نے معذرت کردی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی کی زبانی ایک ایسا ہی ایمان افروز واقعہ نقل ہوا[2] ہے کہ شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل شہید ایک بار ہمارے ساتھ جارہے تھے کہ بادشاہ کی سواری کے ڈنکے کی آواز آئی، یک لخت ان کی رنگت زرد ہوگئی، پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کی سواری آئی اور گزر گئی۔ بعدہٗ وہ اٹھے تو چہرہ خوش تھا۔ دریافت کیا کہ حضرت آپ اس قدر کیوں گھبرا گئے تھے اور اب کیوں مطمئن ہیں؟ کہا "میں نے بادشاہ کی سواری سامنے سے آتی ہوئی محسوس کر کے اس بات کا خوف کیا کہ کہیں میرے ایمان کو نہ لے جائے۔"

انہی مولانا کیرانوی کی یہ روایت بھی ہے کہ نواب وزیر الدولہ والی ٹونک انہی محمد عمر صاحب کے معتقد تھے۔ ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لیے آئے۔ محمد عمر صاحب نے سنا کہ وزیر الدولہ آیا ہے تو دیوار کود کر پچھواڑے کی طرف سے مکان چھوڑ کر چل دیئے کہ امیروں کی ملاقات سے دل سیاہ ہوجاتا ہے اور قلب پر غفلت طاری ہوجاتی ہے۔

شاہ محمد عمر کی وفات ۲ ر جمادی الثانیہ ۱۲۶۸ھ میں ہوئی مومن خاں نے حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات موزوں کیا۔

محمد عمر کا ہوا انتقال بزرگ ایسے ہوتے ہیں پیدا کہاں
مجھے سال تاریخ کا تھا خیال کہ سب نے کہا مرگ شیخ زماں

۱۲۶۸ھ

---

۱ نزہتہ الخواطر الجزء السابع ص ۳۴۰
۲ مرقاۃ الیقین از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ص ۱۹۳
۳ ایضاً ص ۱۹۴

# مولوی سیّد ظہیر الدین احمد ولی اللّٰہی

خاندانِ رحیمی کے متاخرین میں سے مولوی سیّد ظہیر الدین کو متعدد خدمات کی بنا پر ایک اہم اور قابلِ ذکر مقام حاصل ہے۔ انھوں نے سب سے زیادہ قابلِ تحسین اور لائق قدر کام تو یہ کیا کہ مدرسۂ رحیمیہ کی تجدید کی اور دوسری اہم خدمت یہ انجام دی کہ خاندان کے ادبیات کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور طباعت کے لیے ایک مطبع جاری کیا۔ تیسری نتیجہ خیز کوشش یہ کی کہ ان حضرات کے خلاف ایک مہم چلائی جو شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کی طرف ان کتابوں کو منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں۔

ایک طرف مولوی صاحب کی یہ خدمات مگر ان کی گم نامی کا یہ حال کہ کسی تاریخ کسی تذکرے میں آپ کو مولوی صاحب کا نام نہیں ملے گا۔ ۱۸۹۳ء میں مطبع مجتبائی سے فتاویٰ عزیزی طبع ہوئی تھی اس پر مرزا محمد بیگ دہلوی نے مقدمہ لکھا ہے جس میں خاندان کے سب ارکان کا ذکر ہے چنانچہ مولوی صاحب کے والد سیّد معز الدین کا بھی ذکر ہے اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اب شاہ رفیع الدین کے اخلاف میں سے کوئی نہیں پایا جاتا[۱]، حال آں کہ یہ ٹھیک وہی دور ہے جب مولوی صاحب مدرسۂ رحیمیہ کی تجدید کر چکے تھے اور خود ۲۳ سال کے تھے اور اپنے خاندان کی کتابیں شائع کر چکے تھے، اسی طرح مولوی رحیم بخش دہلوی نے سنہ ۱۹۰۰ء میں حیاتِ عزیزی اور حیاتِ ولی شائع کیں مگر مولوی صاحب کا نام بھی لینے سے احتراز کیا اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ مولوی سیّد عبدالحی سنہ ۱۸۹۴ء میں دہلی میں ان سے ملے تھے اور اپنے سفرنامے میں ان کا اور ان

کے کاموں کا ذکر کیا[۲] تھا مگر نزہۃ الخواطر میں جو ان کے تذکرے کا محل تھی، انھیں بھول گئے۔

مولوی صاحب شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے، شاہ رفیع الدین کی صاحب زادی امۃ اللہ زوجہ نجم الدین تھیں ان کے دو صاحب زادے تھے، ایک مولوی سید نصیر الدین تھے جنھوں نے مشہد بالا کوٹ کے بعد معرکہ جہاد کو تازہ کیا اور سرحد ہی میں وفات پائی (۱۸۴۰ء) دوسرے صاحب زادے سید ناصر الدین تھے ان کے صاحب زادے مولوی سید معز الدین تھے جن کے متعلق مرزا احمد بیگ لکھتے ہیں:

"الحال مولوی معز الدین صاحب از نبیرگان شاہ رفیع الدین دیگرے یافتہ نمی شود حق تعالے در عمر وے برکت دہد"[۳]

ان مولوی معز الدین کے صاحب زادے مولوی سید ظہیر الدین احمد تھے[۴] جو ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے تھے۔

مولوی صاحب نے ایک مکتبہ جسے اس دور کی زبان میں "دوکان اسلامیہ" کا نام دیا اور ایک مطبع جسے انھوں نے شاہ ولی اللہ کے نام احمد پر مطبع احمدی سے موسوم کیا، جاری کئے۔ یہ مطبع اور ... غالباً چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں جاری کر دیئے تھے کیوں کہ مطبع کی مطبوعات میں سے جن پر سال طباعت کا اندراج ہے ان میں سے پہلی کتاب "مجموعہ ارشاد و اوائل ہے جو ۱۳۰۷ھ /۱۸۸۹ء میں طبع ہوئی تھی اس کتاب کے آخر میں انھوں نے اپنی گیارہ مطبوعات کی فہرست اور تفصیل دی ہے، ظاہر ہے کہ گیارہ کتابیں کم سے کم پانچ چھے سالوں میں طبع ہو سکی ہوں گی اس طرح ہم یہ قیاس کر رہے ہیں کہ مطبع چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں قائم کیا گیا تھا، اس مطبع کی آخری کتاب جس کا مجھے علم ہے حسن الاقتباس ہے جو ۱۳۳۴ھ/۱۹۰۲ء میں چھپی تھی اس طرح تقریباً ۲۵ سال مطبع جاری رہا اور اس عرصے میں اس کی ۲۵ مطبوعات میرے علم میں ہیں اور نظر سے گزری ہیں خیال ہے کہ یہ تعداد زیادہ ہوگی، ان ۲۵ کتابوں میں سے ۲ کتابیں خود مولوی صاحب کی تالیف ہیں (۱) یادگار دہلی (۲) حالات عزیزی۔ ایک کتاب (الدر الثمین) خود مولوی صاحب کی ترجمہ کی

ہوئی ہے اور خود وضاحت کی ہے۔

''کتاب درثمین۔۔۔ جب اس کم ترین سید ظہیر الدین عرف سید احمد کی نظر سے گزری۔۔۔ اس کا اقتضا یہ ہے کہ احباب میرے ہم زبان اور لسان سرور کون ومکان سے ناآگاہ ہیں اس تحفے میں وہ بھی میرے شریک ضرور ہوں۔۔۔ اس لیے اس کا اردو ترجمہ مناسب جانا''

باقی کتابوں میں سے چھے کتابیں مترجم ہیں مگر ان کے مترجم کی وضاحت نہیں ہے کہ مولوی صاحب کی ہیں یا کسی اور عالم کی۔ ایک کتاب (تحقیق الرویا) کے متعلق یہ بھی وضاحت ہے کہ مولوی صاحب نے اس کا ترجمہ خود نہیں کیا، کروایا ہے اور معاوضہ دے کر کروایا ہے۔ لکھتے ہیں:

''مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اگر اردو میں ترجمہ بھی ہو جائے تو بہت خوب ہے۔۔۔ اللہ تعالے کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے کمال فضل سے میری آرزو پوری کی اور مجھ کو اس کے ترجمہ کرانے اور اس پر روپیہ صرف کرنے کی اور پھر طبع کرنے کی توفیق دی۔''

مطبع احمدی کی ان ۲۵ مطبوعات کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) الطاف القدس

(۲) سطعات مع الجزء اللطیف

(۳) مکتوبات مع فضیلت امام بخاری وابن تیمیہ

(۴) سعادت کونین (ترجمہ فیوض الحرمین) محرم ۱۳۰۸ھ

(۵) الدر الثمین مترجم

(۶) مجموعہ الارشاد واوائل وتراجم ابواب بخاری وما یجب حفظہ للناظر

(۷) تاویل الاحادیث مترجم

(۸) ھوامع

(۹) مجموعۂ فتاوی شاہ عبد العزیز

(۱۰) عجالۂ نافعہ

(۱۱) حسن العقیدہ (اعتقاد نامہ) مترجم

(۱۲) وصیت نامہ مع رسالہ دانش مندی مترجم

(۱۳) انفاس العارفین

(۱۴) مکتوب مدنی

(۱۵) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

(۱۶) تکملۂ ہندی از شاہ اہل اللہ

(۱۷) تکملۂ یونانی شاہ اہل اللہ

(۱۸) انفاس رحیمیہ (مرتبہ شاہ اہل اللہ)

(۱۹) مجموعہ رسائل شاہ رفیع الدین

(۲۰) عزیز الاقتباس ترجمہ مولوی نظام الدین کیرانوی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء

(۲۱) مناقب فخریہ (نواب غازی الدین خاں) ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء

(۲۲) یادگار دہلی ۱۹۰۳ء

(۲۳) حالات عزیزی

(۲۴) تحقیق الرویا

(۲۵) ارشاد رحیمیہ ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء

مولوی صاحب نے یہ مطبع پہلے اپنے ہی مکان قائم کیا تھا اور اس کا پتہ لکھا جاتا تھا "عقب کلاں محل" اس کے بعد یہ کلاں کی دوکان نمبر ۵۷ میں منتقل ہو گیا تھا۔ (۲)

مولوی صاحب کا دوسرا قابل قدر کام ہند خاندانی درس گاہ کی تجدید ہے۔ مدرسہ غالباً ۱۳۱۸ھ/۱۸۹۵ء میں جب مولوی سید عبد الغنی ... سے ملے تھے، بند ہو چکا تھا۔ مولوی صاحب

نے کس ولولے اور جذبے سے یہ مدرسہ جاری کیا تھا اس کا اندازہ ان کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو انھوں نے فیوض الحرمین کے خاتمے کے طور پر لکھی تھی:

"جب سے حضرت مولانا محمد اسحاق محدث دہلوی بیت اللہ ہجرت فرما گئے اور مولوی مخصوص اللہ خلف مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا انتقال ہوگیا مدرسہ کہنہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا تخمیناً چالیس سال سے غیر آباد پڑا ہے اگرچہ اولاد مولانا شاہ رفیع الدین ممدوح سے چند حضرات وارث حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے تھے مدرسہ موصوفہ میں برابر سکونت پذیر رہے مگر بوجہ جاری نہ ہونے سلسلہ تدریس کے اکثر احباب اور متوسلین خاندان کو معلوم بھی نہ رہا کہ اولاد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ان کے قدیم مسکن و درس گاہ میں رہتی ہے اس اثنا میں مکان مدرسہ بھی غدر میں منہدم ہوگیا بعد اس عرصہ معہودہ کے مسبب الاسباب نے داعیہ تعمیر اور آبادی اس مدرسہ مذکورہ کا جو درحقیقت منبع علم دین ہندوستان میں ہے اس کم ترین کے دل میں ڈالا تو بعونہ تعالے دن رات اس کی آبادی کی کوشش میں ہوں اور شب و روز مجیب الدعوات سے دست بدعا ہوں کہ اے قاضی الحاجات اس اجڑے ہوئے چمن کو دوبارہ سرسبز کردے اور جو نام مفقود ہوا جاتا ہے اس کے باقی رہنے کی کوئی تدبیر کر اور اس میں سلسلہ درس و تدریس جاری کرا اور اس مدرسہ موصوفہ کو مثل اور مدارس اسلامی کے کہیں سے کچھ کفاف مقرر نہیں ہے اور خاص یہ شہر تو حرپرستی باہمی سے خالی ہوگیا ہے اور میرے پاس تو اس قدر سرمایہ نہیں ہے کہ سلسلہ درس و تدریس کا شروع کردوں اور طلبہ کی معاش کر سکوں تو دل نے چاہا کہ اس خزینہ بے بہا کو جو عرصہ دراز سے

محفوظ چلا آرہا ہے نکالئے اور حلیۂ طبع سے جلادے کر جوہریان بازار معانی کو دکھایئے قدرے تردد برطرف ہوا تو اس کم ترین نے یہ چند رسالے کہنہ نکالے حلیۂ طبع سے آراستہ کر کے ہدیۂ شائقین کئے (اس کے بعد اپنی گیارہ مطبوعات کی فہرست دی ہے) اور ایک کتب خانہ اور مطبع برائے اعانت مدرسہ موصوفہ کے جاری کیا۔"

اس تحریر کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مولوی صاحب نے ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں کسی نہ کسی پیمانے پر اور کم سے کم نام کی حد تک مدرسے کی تجدید کی تھی۔

مولوی صاحب نے مدرسے کا نام مدرسۂ عزیزی رکھا تھا اور مطبع کو بھی وہ التزام کے ساتھ "مطبع احمدی متعلقہ مدرسہ عزیزی" لکھتے تھے، کتب خانے کا نام "دوکان اسلامیہ" تھا اور وہ ابتدا میں گھر پر ہی تھا اس کا پتہ کلاں محل اور کبھی کبھی "عقب کلاں محل" لکھتے تھے مثلاً سب سے پہلی کتاب الطاف القدس پر یہی پتہ لکھا تھا مگر بعد میں دوکان ۹۷ اور بیہ کلاں کا پتہ شائع ہونے لگا۔

ابتداً مولوی صاحب یہ کام تنہا ہی چلاتے رہے اور اپنے نام کے ساتھ مہتمم یا مالک مطبع احمدی و دوکان اسلامیہ ہی لکھا کرتے تھے مگر چند سال کے بعد اشتہارات میں واحد کے بجائے تثنیہ کا صیغہ استعمال ہونے لگا اور مالک سے "مالکان" ہو گئے۔ مولوی صاحب کے یہ شریک کار مولوی عبدالغنی کلیمی تھے، مولوی عبدالغنی غالباً ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں شریک ہوئے تھے اور ان کا نام پہلی بار مولوی صاحب کے نام کے ساتھ انتباہ فی سلاسل اولیا اللہ کے خاتمے میں آیا ہے جو ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوئی تھی۔

مولوی صاحب کی تیسری اہم خدمت یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے اسلاف کرام کی کتابیں شائع کیں بلکہ ایک مہم ان حضرات کے خلاف چلائی جو اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کے لیے شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف کا نام استعمال کر رہے تھے اور ان بزرگوں کی طرف وہ کتابیں منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں یا ان کی کتابوں میں وہ اپنی طرف سے

اضافات کر رہے تھے، مولوی صاحب نے پہلے تاویل الاحادیث کے خاتمے میں لکھا:

''آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور در حقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی نہیں اور بعض لوگوں نے جو ان کی تصانیف میں اپنے عقیدے کے خلاف پائی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقعہ پایا تو عبارت کو تغیر تبدل کر دیا، تو میرے کہنے سے یہ عرض ہے کہ جواب تصانیف ان کی چھپیں تو اچھی طرح اطمینان کر لینا چاہیے جب خریدی جائیں''۔

اس کے بعد انفاس العارفین کے آخر میں التماس ضروری کے عنوان سے لکھا:

''فی زماننا الدنیا زور ولا یحصلها الا بالزور تو بعض حضرات نے کمر باندھی ہے اور دنیا کمانے کے واسطے حضرات موصوفین کی طرف اکثر کتابیں منسوب کر کے چھاپ دی ہیں جو کسی طرح ان حضرات کی کتابوں میں نہیں ہیں اور ارباب بصیرت ان کو پڑھ کر ان کے عیب اور مفاسد کو اس طرح جان لیتے ہیں جس طرح ایک تجربہ کار نقاد کھوٹے کو کسوٹی پر لگا کر پہچان لیتا ہے مگر لفحوائے العوام کالانعام بیچارے اردو پڑھنے والے علم سے بے بہرہ لوگ اکثر ان جعلی اور مصنوعی رسائل کو پڑھ کر ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں اس واسطے میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے نام اس کاغذ کوتاہ میں لکھ دوں اور اپنے دین دار بھائیوں کو ارباب زمانہ کی گندم نما جو فروشی سے آگاہ کر دوں آگے اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان کا فعل ہے۔

منت انچہ حق بود گفتم تمام
تو دانی دگر بعد ازیں والسلام

اور جعلی اور مصنوعی رسائل یہ ہیں:

(۱) تحفۃ الموحدین مطبوعہ اکمل المطابع دہلی منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب۔

(۲) بلاغ المبین مطبوعہ لاہور منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب

(۳) تفسیر موضح القرآن مطبوعہ خادم الاسلام دہلی منسوب بہ طرف مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم

(۴) ملفوظات مطبوعہ میرٹھ منسوب بہ طرف حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ

مولوی صاحب کی تصانیف (یادگار دہلی اور حالات عزیزی) کے علاوہ ان کے دو مضمون بھی قابل ذکر ہیں: (۱) شاہ ولی اللہ پر ایک مضمون جو تاویل الاحادیث کے آخر میں شائع ہوا ہے اور کئی نئی معلومات پر مشتمل ہے۔ اس مضمون کی بنا پر مجھے یقین ہے کہ القول الجلی مولوی صاحب کے مطالعہ میں تھی (۲) شاہ اہل اللہ پر ایک مفصل مضمون جو تکملۂ ہندی کے آخر میں شائع ہوا تھا اور جو شاہ اہل اللہ پر ایک اولین اور معتبر ماخذ ہے۔

مولوی صاحب کی کتاب یادگار دہلی پر دہلی کے مشہور بزرگ اور مصنف خواجہ ناصر نذیر فراق دہلوی نے جو تقریظ لکھی وہ درج ذیل ہے:

"مولوی صاحب ممدوح ایک ذی علم اور لائق خاندان سے منسوب ہیں جس میں صدہا سال سے تصنیف و تالیف کا مشغلہ چلا آتا ہے۔۔۔ آپ مولانا شاہ رفیع الدین کے نواسے اور شاہ عبدالعزیز کے سچے جانشین ہیں اور بہ اعتبار علم و نسب شاہ صاحب کے خاندان میں آپ ہی باقی ہیں آپ شاہ صاحب کے ایک لائق یادگار ہیں آپ نے شاہ صاحب کا نام روشن کر دیا ہے، شاہ ولی اللہ۔۔۔ وغیرہ حضرات کی کتابوں کو جن کا ہم نام ہی سنا کرتے تھے، چھاپ کر آپ نے ہندوستان سے ایران، ایران سے عرب اور شام تک پھیلایا ہے۔"

نام ور مصنف مولانا اسلم جے راج پوری لکھتے ہیں:

"مجھے یاد ہے کہ ۱۹۱۰ء میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی کے خاندان میں ایک شادی ہو رہی تھی جس میں شرکت کے لیے میں دہلی آیا تھا اس وقت ایک شخص سید احمد نامی جو اپنے آپ کو ولی اللہی کہتے تھے، مجھ سے ملے تھے ان کا قد چھوٹا اور داڑھی بڑھی تھی وہ اس کتاب یعنی تفہیمات کو شائع کرانے کی فکر میں تھے اس کے چار جز چھپے ہوئے تھے، مجھے دکھائے تھے اس کے ... تھوڑے ہی زمانے بعد وہ انتقال کر گئے اب جہاں تک مجھے معلوم ہے شاہ ... صاحب کی ذریت میں کوئی نہیں ہے" (نوادر، کراچی ۱۹۵۱ء ص ۱۶۲)

حواشی:

(۱) مقدمۂ فتاویٰ عزیزی ۱۲ یہ مقدمہ ۱۸۹۳ء میں چھپا ہے اس کے ٹھیک ایک سال بعد صاحب نزہۃ الخواطر نے آستانۂ شاہی پہ حاضری دی ہے تو بزرگ خاندان کی حیثیت سے مولوی معز الدین کے بیٹے مولوی سید احمد ہی ان سے ملے تھے، ممکن ہے ۹۳-۱۸۹۴ء کے درمیان انتقال ہو گیا ہو۔

(۲) واقعات دار الحکومت دہلی ۵۵۹

(۳) الدر الثمین مترجم ۲ مطبع احمدی دہلی

# مولوی سیّد عبدالغنی

خاندان ولی اللٰہی کا ہر خادم اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے احوال وسوانح کا تجسس کریں اور جہاں جہاں جو کچھ مل جائے اس کو جمع کر دیں مولوی سیّد ظہیرالدین احمد سے بھی ہمیں ان کی ان خدمات کی بناپر عقیدت ہے اور مولوی سیّد عبدالغنی بھی ہم سے اس محبت وارادت کے متقاضی ہیں مگر افسوس ہے کہ ہم ان کے احوال سے زیادہ واقف نہیں ہیں ہمیں اب تک صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ مولوی سیّد احمد کے ہمشیر زادے تھے اور مولوی سیّد محمد کے فرزند تھے، انہیں بیک وقت دورجال علم وتقوی شاہ ولی اللہ اور شاہ کلیم اللہ سے نسبت تھی اسی لیے وہ اپنے نام کے ساتھ ولی اللٰہی کلیمی لکھا کرتے تھے اور شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے متولی اور سجادہ نشین تھے۔ چند سال اپنے ماموں مولوی سیّد احمد کے ساتھ بزرگوں کی تالیفات کی اشاعت میں شریک رہے اور مولوی سیّد احمد کے وصال کے بعد عرصے تک تنہا یہ خدمت انجام دیتے رہے، کئی رسائل وکتب کے دوسرے ایڈیشن شائع کئے مطبع احمدی بند کردیا اور دوسرے مطابع سے کتابیں چھپوانے لگے۔

مولوی سیّد عبدالغنی کی شائع کردہ حسب ذیل کتابوں تک ہماری رسائی ہوئی ہے:

(۱) تفہیمات الٰہیہ حصہ اول

(۲) تحقیق الرویا (باردوم)

(۳) انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (بار دوم)

(۴) الدر الثمین (بار دوم)

مولوی سید عبدالغنی سنہ ۱۹۱۳ء تک حیات تھے، کیوں کہ مولوی سید محمد امام عید گاہ شاہی دہلی نے اس سال اپنے صاحب زادہ حافظ طاہر حسن کو اپنا جانشین بنایا تھا تو اس تقریب میں دستار امامت مولوی سید عبدالغنی نے باندھی تھی (الرحیم حیدرآباد سندھ، مارچ ۱۹۶۸ء پروفیسر عبدالرشید ارشد)

## مولوی سیّد عبداللہ

شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب سلسلہ کے ادبیات کی اشاعت میں جن افراد کا حصہ ہے ان میں مولوی سیّد عبداللہ کا نام نمایاں ہے بلکہ ان کو اولیت کی فوقیت بھی حاصل ہے۔

مولوی سیّد عبداللہ کے والد سیّد بہادر علی تھے اور سوانہ (پنجاب) کے رہنے والے تھے مگر عرصے سے کلکتے میں مقیم تھے۔ مولوی صاحب ایک صاحب استعداد عالم دین تھے ملک کے علما خصوصاً ولی اللہٰی سلسلے کے علما سے ان کے روابط تھے مثلاً شاہ محمد اسحاق دہلوی، مولوی عبدالحی بڈھانوی، مولوی حسن علی لکھنوی وغیرہ۔ ۱۸۲۲ء میں جب سیّد احمد شہید سفر حج کے دوران کلکتے پہنچے تو مولوی صاحب ان سے بیعت ہو گئے اور ان کے ہم سفر بھی ہو گئے، سفر حج سے علم دین کی اشاعت کا عزم اور ولولہ لے کر لوٹے اور ۱۸۲۴ء میں ایک ٹائپ پریس خرید کر کتب و رسائل کی طباعت کا آغاز کر دیا، مطبع کا نام احمدی شاید شاہ ولی اللہ کے نام کی نسبت سے رکھا تھا شاہ صاحب کا پورا نام احمد ولی اللہ تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے مرشد سیّد صاحب کے نام کی نسبت سے رکھا ہو، کئی رسالوں اور کتابوں کے اصل متن ہی شائع کیے مگر کئی رسالوں کے اردو ترجمے بھی شائع کئے۔ یہ ترجمے خود مولوی صاحب نے کئے تھے، خود بھی قرآن کریم کی بعض سورتوں کی تفسیر (تفسیر مقبول) لکھی، اس کے علاوہ شاہ ولی اللہ، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ محمد اسحاق، سیّد احمد شہید کے رسائل کے ترجمے کئے۔

مولوی سیّد عبداللہ کا وصال ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء میں ہوا تھا۔

مطبع احمدی کی حسبِ ذیل مطبوعات ہمارے علم میں ہیں:

(۱) آدابِ الآخرت، شاہ رفیع الدین دہلوی کے قیامت نامے کا اردو ترجمہ از سیّد عبداللہ ۱۲۳۹ء/ ۴۔۱۸۲۳ء

(۲) تنبیہ الغافلین کا اردو ترجمہ از سیّد عبداللہ ۱۲۴۳ھ/ ۸۔۱۸۲۷
(یہ کتاب شاہ رفیع الدین کی تالیف بتائی جاتی ہے)

(۳) رسالہ در حمایت تحریک مجاہدین۔ تحریک مجاہدین کے رکن مولوی محمد علی رام پوری کے ایک مرید اور سفیر ایک سال تک کلکتے آکر رہے اور اتباعِ سنت اور ردِ بدعت میں تقریریں کرتے رہے جس سے ایک طبقہ متاثر ہوا اور ایک طبقہ کے لیے یہ تقریریں وجہ شکایت واعتراض بن گئیں چنانچہ کلکتے کے افضل العلما مولوی ارتضیٰ علی خاں سے استفتا کیا گیا، مولوی صاحب نے جو فتویٰ دیا وہ تحریک مجاہدین کے نظریات کے خلاف تھا۔

اس فتوے کے جواب اور تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے زبان فارسی ہے مگر افسوس ہے کہ رسالے کے نام کا اول و آخر سے سراغ لگایا جاسکا نہ مصنف کے نام کا، اس رسالے کی اہمیت یہ ہے کہ حادثۂ بالاکوٹ سے قبل کی تصنیف اور طباعت ہے (۱۲۴۵ھ/ ۱۸۳۰ء) صفحات ۱۲۴

(۴) موضح قرآن (ترجمۂ قرآن کریم) از شاہ عبدالقادر دہلوی۔ مولوی سیّد عبداللہ یہ ترجمہ حجاز میں نقل کروا کے لائے تھے اور ۱۲۴۵ھ میں چھاپا تھا۔

(۵) تفسیر مقبول، مولوی سیّد عبداللہ کی اپنی تحریر ہے اس میں قرآن کریم کی بعض سورتوں کی تفسیر ہے، ۱۲۵۰/ ۱۸۳۴ء

(۶) مسلسلات، شاہ ولی اللہ کا رسالہ چہل حدیث کے نام سے معروف ہے، ترجمہ مولوی سیّد عبداللہ نے کیا تھا، بعد میں اس کا ایک ترجمہ مولوی خرم علی بلہوری نے بھی

کیا تھا، مسلسلات تفسیر مقبول کے ضمیمے کے طور پر چھپا تھا۔

(۷) مسائل اربعین، ترجمہ از مولوی سیّد عبداللہ، سال طباعت ندارد (مسائل اربعین کی نسبت شاہ محمد اسحاق کی طرف کی گئی ہے مگر میرے خیال میں یہ نسبت صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ ''حیات شاہ محمد اسحاق''۔)

(۸) فتاویٰ ہندی، سوالات مع جوابات از مولوی سراج الدین ترجمہ از سیّد عبداللہ سال طباعت ندارد

(۹) المقالہ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیہ از شاہ ولی اللہ، یہ رسالہ وصیت نامے کے نام سے معروف ہے، اصل فارسی متن طبع ہوا ہے، سال طباعت ندارد۔

(۱۰) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر از شاہ ولی اللہ فارسی متن

(۱۱) فتح الخبیر از شاہ ولی اللہ، فارسی متن، سال طباعت ندارد

(۱۲) کشف الحیوان از غفور احمد مجددی نقشبندی فاروقی، فارسی متن۔ صفحات ۴۰ سال طباعت ندارد (حیوانات کی حلت وحرمت کے موضوع پر)

''تفسیر فتح العزیز پارہ ۲۹، ۳۰ از شاہ عبدالعزیز، طباعت ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء''

# مولانا عبدالحمید سواتی

شاہ ولی اللہ اور ان کے حلقۂ اصحاب واخلاف کے رسائل وکتب کی طباعت کا سلسلہ سب سے پہلے مولوی سیّد عبداللہ (ہوگلی کلکتہ) نے ۱۹ ویں صدی عیسوی کے نصف اول میں شروع کیا تھا، اسی صدی کے آخری عشرے میں خاندان ولی اللہی کے ایک رکن مولوی سیّد ظہیر الدین ولی اللہی نے عزم کیا اور متعدد رسائل وکتب اور ان کے ترجمے شائع کیے۔

طلوع پاکستان کے بعد ایک اہم انفرادی کوشش مولانا عبدالحمید سواتی (مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ) نے کی، مولانا نے اولاً ان حضرات کے اب تک کی غیر مطبوعہ کتابوں اور رسالوں کی اشاعت پر توجہ کی ثانیاً چند رسائل پر فاضلانہ مقدمے بھی لکھے ثالثاً کتابوں کے ظاہر پر بھی توجہ دی، ان کی مطبوعات کا معیار طباعت وکتابت بھی بلند تھا۔

مولانا نے مدرسہ نصرۃ العلوم کے ادارہ نشر واشاعت سے حسب ذیل کتابیں اور رسالے شائع کیے:

(۱) تکمیل الاذہان (عربی) از شاہ رفیع الدین دہلوی سال طباعت ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء

تکمیل الاذہان اس لحاظ سے ابھی تک غیر مطبوعہ تھی کہ وہ اب تک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی تھی ویسے نواب صدیق حسن خاں نے ابجد العلوم میں اس کے تین باب

متفرق طور پر شائع کردیئے تھے۔ (صفحہ ۱۲۷۔۲۳۵۔۲۴۱) مولانا نے مکمل کتاب (چاروں باب) شائع کی ہے۔

(۲) مقدمۃ العلم (عربی) از شاہ رفیع الدین دہلوی۔ صفحات ۶، یہ رسالہ بھی پہلے ابجد العلوم (ص ۲۴۱) میں شائع ہوا تھا۔ ۱۳۸۳ھ میں یہ تکمیل الاذہان کے ساتھ شائع کیا گیا۔

(۳) دانش مندی (فارسی) از شاہ ولی اللہ، صفحات ۵، سال اشاعت ۱۳۸۳ھ، یہ بھی تکمیل الاذہان کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(۴) تفسیر آیۃ النور از شاہ رفیع الدین دہلوی (عربی)۔ سال اشاعت ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۴ء صفحات ۴۸

(۵) اسرار المحبۃ (عربی) از شاہ رفیع الدین، صفحات ۵۲۔ سال اشاعت ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۴ء

(۶) ولی اللہی صرف (صرف میر منظوم) نظم فارسی، از شاہ ولی اللہ صفحات ۱۶، تعداد اشعار ۱۷۸

(۷) مجموعہ رسائل شاہ رفیع الدین دہلوی، سال اشاعت ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۳ء

(۱) رسالہ اذان نماز، صفحات ۷

(۲) رسالہ فوائد نماز، صفحات ۶

(۳) رسالہ حملۃ العرش، صفحات ۱۴

(۴) شرح رباعیات صفحات ۷

(۵) رسالہ بیعت صفحات ۸

(۶) شرح برہان العاشقین صفحات ۱۲

(۷) رسالہ ندور بزرگان صفحات ۱۰

(۸) رسالہ شرح چہل کاف صفحات ۱۳

(۹) جوابات وسوالات اثناءعشر صفحات ۱۶

(۱۰) فتاویٰ ص ۲۰

(۸) الطاف القدس (فارسی) از شاہ ولی اللہ ،صفحات ۱۶۲۔ سال اشاعت ۱۳۸۴ھ ترجمۂ اردو از مولانا عبدالحمید سواتی

(۹) دمغ الباطل از شاہ رفیع الدین

(۱۰) مجموعہ رسائل، حصہ دوم، شاہ رفیع الدین دہلوی

# کتابیات

امیر الروایات (حکایات اولیا) کراچی، سن ندارد
ارشادِ محمدی، شیخ محمد تھانوی، محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸ھ
آثار الصنادید (تذکرۂ اہلِ دہلی) سرسید احمد خاں، کراچی
اصول فقہ حنفی (مشمولہ فتاویٰ عزیزی) شاہ عبد العزیز ۱۳۱۱ھ
انسان العین فی مشائخ الحرمین، شاہ ولی اللہ مطبع احمدی دہلی
ابجد العلوم، نواب صدیق حسن خان، بھوپال ۱۲۹۶ھ
بوارق العین، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی دہلی

تاویل الاحادیث، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، دہلی
تذکرہ خاندانِ عزیزی، از حکیم ظل الرحمٰن
تصنیف رنگیں، (مشمولہ وصایائے اربعہ) سعادت یار خاں رنگیں/محمد ایوب قادری، حیدر آباد، سندھ
تنبیہ الضالین، دہلی ۱۲۶۲ھ
تکملۂ ہندی، شاہ اہل اللہ، مطبع احمدی، دہلی
تہافتہ الوہابیہ، مفتی عبد الحفیظ، آگرہ
الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، سید عبد الحی، بیروت ۱۹۵۸ء
الجزء اللطیف، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، دہلی

جماعت مجاہدین، غلام رسول مہر، لاہور
حیات ولی، رحیم بخش دہلوی، لاہور، ۱۹۵۵ء
دافع الفساد و نافع العباد، پیر مرتضیٰ خاں رام پوری، مطبع محمدی، ٹونک
دہلی اور اس کے اطراف سید عبدالحی، دہلی ۱۹۵۸ء

سوانح احمدی محمد جعفر تھانیسری، کراچی
سیف الجبار، مولانا فضل رسول بدایونی، لاہور

شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، خلیق احمد نظامی، دہلی ۱۹۶۰ء
شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، عبیداللہ سندھی

عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ، شاہ عبدالعزیز/عبدالحلیم چشتی، کراچی
فضائل صحابہ و اہل بیت، شاہ عبدالعزیز/محمد ایوب قادری، لاہور
فتاوی شاہ عبدالعزیز، مجتبائی دہلی ۱۳۱۱ء
فیض عام، مولانا فضل رسول بدایونی
فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی دہلی

القول الجلی، شاہ محمد عاشق، پھلتی، دہلی ۱۹۸۹ء
گلشن ہند، مرزا علی لطف، حیدرآباد دکن، ۱۹۰۶ء
ملفوظات شاہ عبدالعزیز، میرٹھ ۱۸۱۷ء
مقالات طریقت، عبدالرحیم ضیا، حیدرآباد دکن ۱۲۹۲ھ
منصب امامت، شاہ محمد اسماعیل

منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہدا، جعفر علی بستوی، مخطوط، ٹونک
مناقب فخریہ، نواب غازی الدین خاں، مطبع احمدی دہلی
مخزن احمدی، سید احمد علی رائے بریلوی
مرقاۃ الیقین، اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، لاہور
مقدمہ دراسات اللبیب، مولانا عبدالرشید نعمانی
مولانا محمد احسن نانوتوی، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۶ء
ماخذ ائمہ اربعہ، شاہ عبدالعزیز، (شمولہ فتاوی عزیزی)

نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، دہلی
نزہۃ الخواطر، سید عبدالحی، دکن
وصیت نامہ۔ (المقالۃ الوضیہ فی النصیحۃ والوصیۃ) شاہ ولی اللہ، مطبع احمدی، ہوگلی
وصایائے اربعہ، محمد ایوب قادری، حیدر آباد، سندھ
واقعات دار الحکومت دہلی، بشیر الدین دہلوی، ۱۹۱۹ء

یادگار دہلی، سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی، دہلی ۱۹۰۳ء
الیانع الجنی، محسن ترہتی ۱۳۴۹ھ
تذکرہ خاندان عزیزی از حکیم ظل الرحمٰن

# مطبوعات مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک نظر میں

## ادب، تنقید، انشاء

افکارِ ذاکر مرتبہ: اختر الواسع/فرحت احساس 175/-
انتخاب مضامین خلیل الرحمٰن اعظمی (جلد اول)
مرتبہ: پروفیسر شہریار 150/-
انتخاب مضامین خلیل الرحمٰن اعظمی (جلد دوم)
مرتبہ شہریار 200/-
البرونی اور جغرافیۂ عالم مولانا ابوالکلام آزاد 80/-
معلم تہذیب خواجہ غلام السیدین مرتبہ: اختر الواسع
فرحت احساس 120/-
سوالوں میں رنگ بھرے وہاب قیصر 100/-
خامۂ خسرو (مضامین خسرو) مرتب: اختر الواسع 90/-
صوفیا کا بھگتی راگ شمیم طارق 100/-
ہندستانی معیشت اور بین اقوامی پس منظر علی محمد خسرو 45/-
مولانا ابوالکلام آزاد، آزادی کی طرف: ضیاء الحسن فاروقی 280/-
سرمایۂ سخن (جلد اول) علی سردار جعفری 275/-
اردو کا ابتدائی زمانہ شمس الرحمٰن فاروقی 150/
سرسید اور سینٹیفک سوسائٹی پروفیسر افتخار عالم خاں 150/-
معماران جامعہ ظفر احمد نظامی 250/-
چند ارباب کمال رحیم الدین کمال 250/-
پانچ جدید شاعر حمید نسیم 210/-
قاری سے مکالمہ شمیم حنفی 150/-
اعلا تعلیم (خطبات) ڈاکٹر ذاکر حسین 120/-
اردو زبان و ادب کے فروغ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا حصہ
ڈاکٹر صغرا مہدی 75/-
فراق، دیارِ شب کا مسافر مرتبہ: پروفیسر شمیم حنفی 150/
بیاں اور اختر سعید خاں 44/-
لفظوں کی انجمن میں ڈاکٹر سید حامد حسین 135/-
تعبیر و تفہیم ڈاکٹر خلیق انجم 135/-

معاصرین و متعلقات مولانا ابوالکلام آزاد
عبدالقوی دسنوی 60/-
سرسید سے اکبر تک مرتبہ: شمیم حنفی/سہیل احمد فاروقی 90/-
سیاہ فام ادب مرتبہ: شمیم حنفی/سہیل احمد فاروقی 40/-
خامہ بگوش کے قلم سے مرتبہ: مظفر علی سید (زیرِ طبع)
الجنیں (نفسیاتی مضامین) عبداللہ ولی بخش قادری 60/-
جو رہی سو بے خبری رہی (خود نوشت) ادا جعفری 200/-
قلم اور قدم سید حامد 75/-
جدید ادبی تحریکات ڈاکٹر سید حامد حسین 51/-
مستقبل کی طرف (خطبات جلسہ تقسیم اسناد جامعہ ملیہ اسلامیہ)
مرتبہ: خواجہ محمد شاہد/خالد کمال فاروقی 150/-
مولانا ابوالکلام آزاد فکر و نظر کی چند جہتیں
پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی 60/-
صحرا میں لفظ فضیل جعفری 90/-
فارسی داستان نویسی کی مختصر تاریخ: ڈاکٹر مومن محی الدین 45/-
انشائے غالب مرتبہ: رشید حسن خاں 60/-
اردو ڈرامے کی تنقید کا جائزہ ابراہیم یوسف 45/-
تاریخ نگاری قدیم و جدید رجحانات
ڈاکٹر سید جمال الدین 51/-
انداز گفتگو کیا ہے شمس الرحمٰن فاروقی (زیرِ طبع)
دستک اس دروازے پر ڈاکٹر وزیر آغا 51/-
سرسید یادگاری خطبات مونس رضا/مسعود حسین خاں 10/-
تفہیم رشید حسن خاں 75/-
اردو شاعری کی گیارہ آوازیں عبدالقوی دسنوی 75/-
کچھ مشرق سے کچھ مغرب سے نقی حسین جعفری 51/-
شناس و شناخت انور صدیقی 60/-
سائنس کی ترقی اور آج کا سماج ڈاکٹر سید ظہور قاسم (زیرِ طبع)
سیرت طیبہ میں سماجی انصاف کی تعلیم اختر الواسع 10/-
حورابی اور بابلی تہذیب و تمدن مالک رام 75/-

| کتاب | مصنف / مرتب | قیمت |
| --- | --- | --- |
| جام جہاں نما | گربچن چندن | 75/- |
| اردو ناول میں عورت کا تصور | فہمیدہ کبیر | 45/- |
| اسرار خودی (فراموش شدہ اڈیشن) | شائستہ خاں | 75/- |
| تاثر نہ کہ تنقید | صدیق الرحمٰن قدوائی | 51/- |
| یہ صورت گر کچھ خوابوں کے | طاہر مسعود | 51/- |
| تحریریں | ڈاکٹر اسلم پرویز | 51/- |
| انشائیہ کے خدوخال | وزیر آغا | 35/- |
| تذکرہ ماہ و سال | مالک رام | (زیر طبع) |
| تحقیق نامہ | مشفق خواجہ | 125/- |
| سحر سے پہلے اور بعد | سعید الظفر چغتائی | 51/- |
| پہچان اور پرکھ | پروفیسر آل احمد سرور | 51/- |
| اقبال کا نظریہ خودی | عبدالمغنی | (زیر طبع) |
| قلندر بخش جرأت | جمیل جالبی | 10/- |
| جدید افسانہ اور اس کے مسائل | وارث علوی | (زیر طبع) |
| تاریخ اودھ | قاسم علی نیشاپوری | 27/- |
| مولانا آزاد کا ذہنی سفر | ظ۔ انصاری | 33/- |
| تنقید اور جدید اردو تنقید | ڈاکٹر وزیر آغا | 60/- |
| کچھ مولانا آزاد کے بارے میں | مالک رام | 51/- |
| لسان الصدق | مولانا ابوالکلام آزاد | 75/- |
| اردو میں کلاسیکی تنقید | پروفیسر عنوان چشتی | 48/- |
| تفہیم و تنقید | پروفیسر حامدی کاشمیری | 40/- |
| نذر مختار | مرتبہ: مالک رام | 101/- |
| تحقیقی مضامین | مالک رام | 60/- |
| خسرو نامہ | مجیب رضوی | (زیر طبع) |
| تحفۃ السرور | مرتبہ: شمس الرحمٰن فاروقی | 75/- |
| جائزے | مرتبہ: مظفر حنفی | 45/- |
| نقد بجنوری | صدیقہ بیگم | 25/- |
| ادبی سماجیات | ڈاکٹر محمد حسن | 15/- |
| الفاظ کا مزاج | غلام ربانی | (زیر طبع) |
| تقریر و تعبیر | محمد ہدایت اللہ | 15/- |
| افسانے کی حمایت میں | شمس الرحمٰن فاروقی | (زیر طبع) |
| علامتوں کا زوال | انتظار حسین | 36/- |
| تذکرۂ معاصرین دوم | مرتبہ: مالک رام | 14/- |
| تذکرۂ معاصرین چہارم | مرتبہ: مالک رام | 40/- |
| لغت نویسی کے مسائل | مرتبہ: پروفیسر گوپی چند نارنگ | 35/ |
| معاصر ادب کے پیش رو | ڈاکٹر محمد حسن | (زیر طبع) |
| اردو کی تہذیبی معنویت | پروفیسر علی محمد خسرو | 6/- |
| تحلیل نفسی کے پیچ و خم | ڈاکٹر سلامت اللہ | 35/- |
| اثبات و نفی | شمس الرحمٰن فاروقی | 40/- |
| نقد حرف | پروفیسر ممتاز حسین | 48/- |
| اکبر کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ | ڈاکٹر صغرا مہدی | 125/- |
| نظرے خوش گزرے | بیگم انیس قدوائی | 12/- |
| فکر و ریاض | علی جواد زیدی | 12/- |
| بازگشت | کبیر احمد جائسی | 11/- |
| کچھ نثر میں بھی | آنند نارائن ملا | 21/- |
| انشائیات | ڈاکٹر عابد حسین | (زیر طبع) |
| حسرت کی شاعری | ڈاکٹر یوسف حسین خاں | 10/- |
| مسالک و منازل | ضیاء احمد بدایونی | 22/- |
| نگارشات | پروفیسر محمد مجیب | 16/- |
| کہانی کے پانچ رنگ | پروفیسر شمیم حنفی | 24/- |
| جدید ترکی ادب کے ارکان ثلاثہ | ضیاء الحسن فاروقی | 15/- |
| نظر اور نظریے | آل احمد سرور | (زیر طبع) |
| مسرت سے بصیرت تک | آل احمد سرور | 90/- |
| تنقید کیا ہے | آل احمد سرور | 60/- |
| باتیں کچھ سریلی سی | داؤد رہبر | 36/- |
| اردو اسیز | مرتبہ: سید ظہیر الدین مدنی | 40/- |
| روح تہذیب | خواجہ غلام السیدین | 4/50 |
| دراسات | پروفیسر نثار احمد فاروقی | 15/- |
| دبستان آتش | شاہ عبدالسلام | 21/- |